اگر اور
جیتے
رہتے
ماہم انصاری

اگر اور جیتے رہتے

Safar-e-
ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ماہم انصاری

All Rights Reserved

Copyright: Author

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.om

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

پیش لفظ

اسلام علیکم قارئین!

اگر اور جیتے رہتے میرے دل کے بہت قریب ہے۔ یہ وہ پہلا ناول ہے جو میں نے تب لکھنا شروع کیا جب اس کہانی کا کوئی پلاٹ میرے ذہن میں نہیں تھا۔ پہلی سین کے علاوہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے میں کیا لکھوں گی اور لکھ بھی پاؤں گی یا نہیں مگر دیر سے ہی سہی میں نے اسے پورا کر ہی لیا۔ اس کے ایک ایک منظر کو میں نے انجوائے کیا ہے، محسوس کیا ہے۔ اس میں موجود ہر لفظ جیسے میرے دل کے کسی گوشے سے نکلا ہے۔ یہ واحد ناول ہے جسے لکھتے ہوئے میں سوچتی نہیں تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی غیبی طاقت میرا ہاتھ پکڑ کر قلم چلوا رہی ہو۔ یہ ناول پورا کرنے میں، میں نے سالوں لگا دیے مگر یہ پورا عرصہ اس کے کردار جیسے میرے ساتھ ساتھ جیتے رہے۔

یہ ناول لکھنے کی چند خاص وجوہات تھیں۔ یہ سال جو میں نے اسے پورا کرنے میں لگائے ان سالوں میں میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اس ناول کی شروعات میں نے شوق کی بناء پہ کی تھی پھر مجھے ایک مقصد مل گیا۔ "اگر اور جیتے رہتے" محبت، الفت، خوشیوں، دوستی، غلط فہمی، غلطیوں، آنسوؤں، تنہائی، خوف اور انتقام، جیسے تمام جزبات سے گندھا ہوا ہے۔ کم عمری کے خواب اور غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جو کئی دفعہ ہمیں ساری زندگی کے لیے رسوا کر ڈالتی ہیں اور اگر ہم غلطیاں نا کریں تو یہ خواب ہماری جان نہیں بخشتے۔ ہمیں ان کو اپنی آنکھوں میں سجانے کی قیمت ادا کرنی ہی پڑتی ہے۔

یہ ناول لکھتے لکھتے ہی میں نے اس کے ٹوئسٹ، نئے کردار اور انجام منتخب کیا ہے۔ اس میں بہت غلطیاں ہوں گی کہ بہر حال میں ابھی تک سیکھ رہی ہوں۔ ان غلطیوں کو نظر انداز کریں اور اگر مجھے ان کی نشاندہی کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔

اس ناول کا نام میری بہن نے تجویز کیا تھا اور اس کے لیے میں ان کی بہت شکر گزار ہوں۔ ناولوں اور کرداروں کے ناموں کو منتخب کرنے میں وہ ہی ہیں جو میری مدد کرتی ہیں۔ اس معاملے میں میں بالکل اچھی نہیں ہوں۔ شکریہ آپی ہمیشہ میرے ساتھ ہونے اور ہر موڑ پر میری مدد کرنے کے لیے!

میں "اگر اور جیتے رہتے" زندگی کے نام منسوب کرتی ہوں۔ زندگی! جو معصوم ہے، جس کی آنکھوں میں بے شمار خواب ہیں اور وہ بے صبر بھی ہے۔ اسے جلد از جلد ان خوابوں کو پایہء تکمیل تک پہنچانا ہے اور اس کوشش میں زندگی بھٹکتی پھرتی ہے، دھوکے کھاتی ہے، نفرت سہتی ہے اور تنہا رہ جاتی ہے۔ معصومیت سے ظالم بننے تک کا سفر، "اگر اور جیتے رہتے" کے نام!

- ماہم انصاری

Safar-e-ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ضروری بات

اگر اور جیتے رہتے کے تمام جملہ حقوق لکھاری "ماہم انصاری" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Safar-e-
ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

انتساب

زندگی کے نام

Safar-e-ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

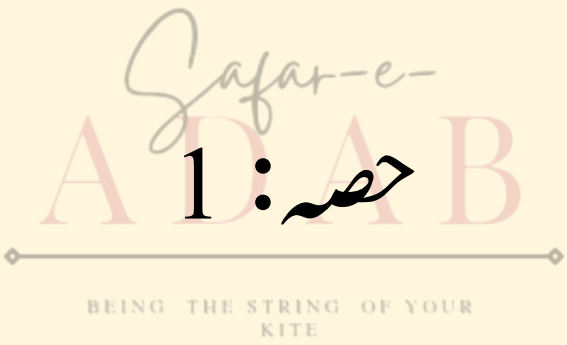

حصہ: 1

مجھے اس شخص سے اتنی محبت ہے
کہ جیسے سیپ کو بارش کی بوندوں سے
کہ جیسے چاند کو سورج کی کرنوں سے
کہ جیسے تتلیوں کو پھول کی رنگت لبھاتی ہے
کہ جیسے جگنوؤں کو رات آنچل میں سجاتی ہے
کہ جیسے موت کے بستر پر کچھ پل سانس کی چاہت
کہ جیسے لمس عیسیٰ سے ملے بیمار کو راحت
کہ جیسے غم کے ماروں سے ہو غم خوار کا رشتہ
کہ جیسے دھوپ سے ہو سایۂ دیوار کا رشتہ
کہ جیسے بانسری کی لے پہ سانسیں گیت بنتی ہیں
کہ جیسے وصل رت میں دھڑکنیں سنگیت بنتی ہیں
کہ جیسے بلبلیں پھولوں کی رت میں گنگناتی ہیں
کہ جیسے چودھویں کے چاند کو لہریں بلاتی ہیں
سبھی کچھ کہہ دیا پھر بھی ہے دل میں ان کہی باقی
رہی اظہار کے لفظوں کی یوں ہی تشنگی باقی
محبت کے سمندر کے کنارے ہو نہیں سکتے
میرے جذبوں کے قابل استعارے ہو نہیں سکتے!

قلم بند کر کے اس نے کھلی ڈائری پہ رکھا جس کے کورے صفحات اب محبت کے سچے موتیوں سے سج چکے تھے۔ آج اسے وہ شخص بے انتہا یاد آ رہا تھا۔ وہ سارا وقت جو اس کے ساتھ گزرا۔ وہ چند لمحے جو اس کی متاع حیات تھے۔ وہ شخص جسے شاید اندازہ بھی نہیں تھا کہ ہندوستان کے اس چھوٹے سے شہر میں رہنے والی ایک لڑکی کے دل پہ وہ نا جانے کب سے پورے حق کے ساتھ قابض ہے۔

Safar-e-ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے نازک ہاتھوں کی پوروں سے اپنی نم پلکیں صاف کر کے ڈائری بند کی۔ ہم سب اپنی زندگی میں کہیں کسی لمحے میں اپنے ماضی کا کوئی حصہ ہمیشہ لیے بند کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پھر خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نا ہو، ہمیں ان تمام خوابوں سے دست بردار ہونا ہی پڑتا ہے جو کبھی ہماری آنکھوں کی روشنیوں کی وجہ ہوا کرتے تھے۔ شاید وہ ایسا ہی کوئی لمحہ تھا جو اس چھوٹے سے گھر میں رہنے والی معصوم لڑکی پر آیا تھا۔ اس نے بھی بالآخر اس ڈائری میں موجود محبت سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ آج کے بعد اسے اس ڈائری کے صفحے کبھی نہیں پلٹنے تھے۔ اسے نا صرف ان خوبصورت لمحوں کی تمام یادوں کو اپنے ذہن کی سلیٹ سے کھرچ کھرچ کر مٹانا تھا بلکہ امید کے اس جگنو کو بھی آزاد کرنا تھا جو سالوں سے اس کی مٹھی میں قید تھا۔

آج کے بعد اس سے اس شخص کو سوچنے کا حق بھی چھن جانا تھا!

****

دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ بھاری قدموں کی چاپ دھیرے دھیرے اس کے قریب آتی جا رہی تھی۔

"تو آخر قیامت کی وہ گھڑی آ ہی گئی جس کا مجھے سالوں سے انتظار تھا" خوبصورت مردانہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ عائزہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"تمہارے کتنے افیئرز رہ چکے ہیں؟" سنہری اور سفید کڑھائی والے ناگروں میں قید پاؤں اس کے دائیں سمت موجود قالین پر آ ٹھہرے۔

سوال تھا یا کوئی بم جو اس کے کانوں میں پھٹا تھا۔ عروسی لباس میں سجی سنوری لڑکی کا زخمی دل کچھ اور زخمی ہوا۔

"بولو؟ خاموش کیوں ہو؟" سخت لہجہ اسے احساس دلا گیا کہ آگے کی زندگی پہلے سے زیادہ مشکل ثابت ہونے والی ہے۔

"اگر میں کہوں کہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو کیا آپ۔۔"

"تم جیسی لڑکیوں کو میں بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں" اس کی بات کاٹ کر وہ ترش لہجے میں بولا۔ اس دفعہ عائزہ خاموش رہی۔

"سنا ہے کسی ایک کے ساتھ تم کافی سیریس بھی تھی مگر پھر تم نے اسے بھی چھوڑ دیا؟" اس نے عائزہ کا معصوم چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

"کیوں؟" کاجل سے بھری سیاہ آنکھوں میں جھانکتا وہ دھیمی آواز میں غرایا جبکہ عائزہ سنّ ہی تو رہ گئی۔ کتنے ہی لمحوں تک اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ وہ شخص کیسے ہو سکتا ہے جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا؟"

"کیوں؟ یقین نہیں آ رہا نہ؟" وہ طنزاً مسکرایا۔ عائزہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"مجھے تم سے کبھی بھی محبت نہیں تھی عائزہ بیگم! مگر تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا" اس کے ہونٹوں پہ استہزائیا مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"تمہیں کیا لگا؟ میں اب بھی تمہاری محبت میں ڈوبا ہوا ہوں تب ہی تمہارے گھر بارات لیے چلا آیا؟" وہ اب بھی بے یقین نظروں سے سامنے موجود شخص کو بے یقینی سے دیکھے جا رہی تھی جو سراپا نفرت کی تصویر بنا اس کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو؟ تم اس دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہو؟" عائزہ کی آنکھوں سے چھلکتے قطرے کو اپنی پور پر اٹھاتے ہوئے وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

"ہاں ہو تو! مگر اب نہیں رہو گی" دراز پر جھکتے ہوئے جیسے فیصلہ سنایا گیا، ڈکلیریشن!

عائزہ سرخ آنکھوں میں بے یقینی، بے چینی اور نا سمجھی کی ملی جلی کیفیات لیے اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھے جا رہی تھی۔

"تم کہتی تھی نا۔۔۔ میرے لئے جان بھی دے سکتی ہو؟" وہ سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھوں میں سلور رنگ کا چمکتا روالور دیکھ کر عائزہ کا سفید رنگ زرد پڑ گیا۔ سوکھے پتے کی طرح کانپتے دل نے بے یقینی سے پتھر بنے اس شخص کو دیکھا جس کی تصویر اپنے چہرے پہ سجائے وہ بنا رکے دھڑکتا رہا تھا۔

"کیوں؟ دے سکتی ہو نا؟" وہ روالور پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرایا۔ عائزہ نے اپنی آنکھیں سختی سے بھینچ لیں۔

قدرت بھی کبھی کیسا مزاق کرتی ہے نا؟ وہ جو اس کی محبت، خوابوں اور تمام یادوں کو سیاہ کوروالی ڈائری میں بند کر آئی تھی نہیں جانتی تھی کہ عنقریب وہی محبت اس کی عزیز از جان سیاہ ڈائری میں موجود کسی چور دروازے سے نکل کر اسے ڈسنے والی ہے۔

وہ اس کی طرف روالور بڑھا رہا تھا۔ عائزہ کو لگا وہ کسی پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ہاتھ لرز رہے تھے مگر وہ انہیں حرکت نہیں دے پا رہی تھی۔ دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اب تو سچ کہہ دو، اب نہیں تو کب مگر الفاظ زبان سے ادا ہی نہیں ہو رہے تھے۔ وہ اس کی آنکھوں میں رقم محبت نہیں پڑھ سکا یہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ وہ اپنی خاموش ریاضت کا ایسا بھیانک انجام سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"مجھے معلوم تھا، ہمیشہ سے معلوم تھا۔ کوئی کسی کے لیے جان نہیں دیتا۔ کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ سب دکھاوا ہے۔ سب دھوکہ ہے" وہ کہتے کہتے سانس لینے کو رکا۔

دولہا کے لباس میں ملبوس شخص کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں چٹک رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ محبت میں جانیں نہیں دی جاتیں تو کیا ہوا، نفرت میں جانیں لینے کا تو اچھا خاصا رکارڈ ہے" اس نے عائزہ کا ہاتھ تھام کر سختی سے دبایا۔ عائزہ نے بے یقینی سے اپنے سینے سے لگے روالور کو دیکھا پھر اسے تھامنے والے ہاتھ کو۔ پھر اس کی نظریں مضبوط ہاتھوں سے ہوتی ہوئی اس چہرے پہ آ ٹکیں جو کبھی اسے دیکھتے ہی محبت کی تصویر بن جایا کرتا تھا۔

کچھ لمحوں تک وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف جذبات لیے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے اور پھر۔۔۔۔

اگلا آنے والا لمحہ ان دونوں پہ قیامت لایا تھا۔ ٹرگر دب چکا تھا اور۔۔۔۔۔۔۔ عائزہ کی آخری سانسیں فائزمیر کو اس کی اہمیت کا احساس دلا گئی تھیں۔ اس کے اپنے دل میں بھٹکتی محبت سے آشنا کر گئی تھیں۔

سچ ہے محبت لمحوں کا ہی تو کھیل ہے۔ پھر چاہے وہ لمحہ محبت کی نئی نکور کنول پھوٹنے کا ہو یا پہلے سے موجود محبت کے طناور درخت کی موجودگی سے آشنائی کا۔

سرخ جوڑے میں ملبوس وجود بیڈ پہ گرتا چلا گیا۔ فائز کی آنکھوں میں موجود نفرت کی جگہ بے یقینی نے لے لی تھی۔ بستر پر پڑے وجود کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر زبان ساتھ نا دے رہی ہو۔ الفاظ کی ڈور چھوٹ چھوٹ جا رہی تھی۔ لرزتی پلکوں سے آنسو نکل کے اس کے بالوں میں جذب ہونے لگے۔ جس پل اس کی آنکھیں بند ہوئیں فائز میر کو ہوش آ گیا۔

"عائزہ۔۔۔عائزہ۔۔!" وہ گھبرا کر اس پر جھکا۔ اس کی مدھم چلتی سانسیں دم توڑ چکی تھیں۔ سفید چادر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مزید سرخ ہوئی جا رہی تھی اور فائز میر کو اس پورے عرصے میں پہلی دفعہ اپنی دھڑکن بیٹھتی محسوس ہوئی۔

لوگ کہتے ہیں کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا، یہ کوئی اس لڑکی سے کہتا جو ہر دفعہ اس محبت کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔ انسان کو صرف موت ہی تو نہیں مارتی، زندگی کی دی ہوئی موت اس موت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے جو فائز میر نے اسے دی تھی۔ کوئی فائز میر کو بتاتا وہ پہلے بھی کہاں زندہ تھی۔ اس کی محبت کے ہاتھوں ہر دفعہ ماری گئی تھی۔

جس لمحہ عائزہ کی روح نے پرواز بھری تھی ٹھیک اسی لمحہ محبت کی آگاہی کا احساس فائز میر کے دل میں اتار دیا گیا تھا۔

شاید اب عائزہ کا درد بھی اس کے دل میں اترنے والا تھا!!

Safar-e-ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

****

"تمہیں پتا ہے ربیعہ؟ آج پھر میں نے اسے دیکھا۔ وہ اب بھی ویسا ہی ہے۔ خوبرو، باوقار اور سنجیدہ! اور پتا ہے وہ اب مجھ سے ناراض نہیں ہے۔ ہم کافی دیر ساتھ بیٹھے رہے۔ اتنے سالوں بعد اسے قریب سے دیکھا۔ وہ اب بھی کم بولتا ہے مگر پیارا بولتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے۔۔۔۔۔۔؟؟" ربیعہ کے سامنے آتے ہی وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔ بہت کم گو ہونے کے باوجود جب بات اس شخص کی ہوتی تو وہ اسی طرح شروع ہو جایا کرتی تھی۔ پھر سامنے والا سنے یا نہ سنے، خیر ہے۔

"اوہو عائزہ! تھوڑا بریک بھی لے لیا کرو" ربیعہ نے جھلا کر اس کی بات کاٹی۔

"پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم نے آخر اسے دیکھ کہاں لیا اتنے سالوں بعد؟" ربیعہ نے اسے ٹوکتے ہوئے سوال کیا۔

"خواب میں۔۔!" آنکھیں میچ کر جواب دیا گیا۔

"واٹ؟خواب میں؟" ربیعہ کی چیخ اتنی زوردار تھی کہ اطراف میں موجود لوگ بھی ان کی سمت متوجہ ہو گئے۔

"ارے لڑکی! آرام سے۔۔ اتنا چیخ کیوں رہی ہو؟" اس نے جھنجھلا کر ربیعہ کو ڈپٹا۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔ میں چیخوں نہ تو اور کیا کروں؟ بھلا بتاؤ اتنے جوش سے تم جس انہونی کے ہونے کا ذکر کر رہی ہو وہ ہوئی بھی ہے تو مادام کے خواب میں۔۔ یعنی کہ حد ہو گئی" اس نے بھنویں سکوڑتے ہوئی جواب دیا۔ ربیعہ کی بات سن کر وہ ایک پل کو خاموش سی ہو گئی۔

"حقیقی زندگی میں جس کا نظر آنا بھی ناممکن جیسا ہو ربیعہ! اس کا دیدار اگر سالوں بعد خواب میں ہی ہو جائے تو وہ ہی دیدار کو ترستی نظروں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ وہ شخص مجھے خوابوں میں بھی مشکل سے دکھتا ہے۔ اتنا خفا ہے مجھ سے کہ خوابوں میں بھی آنا چھوڑ چکا ہے" کچھ دیر پہلے جس چہرے پر بے انتہا خوشی دکھائی دے رہی تھی اب اسی چہرے پر دکھ کے سائے لہرانے لگے تھے۔ اسے اداس ہوتا دیکھ کر ربیعہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"عائزہ تم اسے بھول کیوں نہیں جاتی میری جان؟ جس انسان کا خیال آپ کو تکلیف دے، آپ کو اسے یاد نہیں رکھنا چاہیے۔ تم اس حقیقت کو قبول کیوں نہیں کر لیتی کہ وہ سالوں پہلے تمہاری ایک غلطی اور ہزار غلط فہمیوں کی بناء پر تمہیں چھوڑ کر جا چکا ہے۔ حقیقت کی دنیا میں واپس آجاؤ عائزہ! اسے بھول کر زندگی آسان ہو جائے گی" اس نے ہمیشہ کی طرح اسے نرم لہجے میں حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں نے کوشش نہیں کی ہو گی؟ -" اس نے اداس نظریں ربیعہ کی سمت گھمائیں۔

-میں نے کی ہے ربیعہ! ہر طریقہ آزمایا، ہر تدبیر کی مگر بے سود۔۔ اور میری کوششوں کی تو تم خود گواہ ہو۔ میں نے اس ایک شخص کو بھول جانے کے لیے کیا نہیں کیا مگر شاید اسے بھول جانا ممکن نہیں ہے۔ وہ میرے لہو میں دوڑتا ہے، میرے دل میں دھڑکن بن کر زندہ ہے۔ میں خود کو تو بھول سکتی ہوں مگر شاید اسے نہیں۔ وہ کہتے ہیں نا کہ-

مشورہ ٹھیک تیرا اپنی جگہ پر لیکن

یار وہ شخص میری آنکھ کی بینائی ہے" اس نے بے بسی سے ہونٹ کاٹے۔

"اچھا چھوڑو! یہ بتاؤ آج کیا کھلا رہی ہو؟ قسم سے بہت بھوک لگی ہے" اسے اداس ہوتا دیکھ ربیعہ نے جلدی سے بات بدلی۔

"کیوں؟ میں کیوں کھلاؤں؟ آج نہ گھر پہ اماں ہیں نہ میر اتمہارے ٹائپ کے مشکل پکوان بنانے کا ارادہ ہے۔ تمہیں جو کھانا ہو اپنے گھر ہی جا کر کھالینا" اس نے منہ بناتے ہوئے گھاس پر رکھا اپنا چھوٹا سا سیاہ رنگ کا بیگ اٹھا کر اس میں قریب پڑی نوٹ بکس اور بھوری جلد والی ڈائری رکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی ربیعہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"ارے ہاں یاد آیا! آج آپی نے چکن لالی پاپ بنانے تھے۔ تم بھی چلو۔ ساتھ مزے کریں گے" ربیعہ جانتی تھی واپس جا کر وہ سارا دن بھوکی بیٹھی اس شخص کو سوچتی رہے گی اور وہ اپنی اکلوتی دوست کو اس اذیت میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"نہیں یار! آج بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ پھر کسی دن سہی" سست قدموں سے چلتے ہوئے اس کی نظریں سامنے لگے پام کے درخت پر بیٹھی تنہا چڑیا پر ٹکی ہوئی تھیں جو اکثر اسی جگہ آ کر بیٹھا کرتی تھی۔ شاید کوئی اس سے بھی اسی جگہ ملنے کا وعدہ کر کے چھوڑ گیا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ تم میرے ساتھ چل رہی ہو بس" اس نے سامنے سے گزرتے رکشے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور عائزہ کا ہاتھ کھینچتی اس کی سمت بڑھ گئی۔ مجبوراً اسے بھی ربیعہ کی تقلید میں قدم بڑھانے پڑے۔

****

بھورے رنگ کے لمبے کوٹ میں ملبوس اونچی قامت اور تیکھے نقوش والے شخص نے لائبریری سے نکل کر بے ساختہ سر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا جہاں بادل برسنے کو تیار کھڑے تھے۔ ایک دم سے اس کے ذہن کی اسکرین پر بارشوں سے محبت کرنے والی اس معصوم سی لڑکی کی تصویر ابھر آئی۔ جب بھی آسمان سے یہ شفاف قطرے گرتے وہ خوشی سے جھوم اٹھتی تھی۔ پاکیزہ بارش کی مانند پاکیزہ لڑکی!

"تمہیں معلوم ہے فائز! آسمان سے گرنے والی ہر بوند پہ لکھا ہوتا ہے کہ اس نے کہاں گرنا ہے" وہ دونوں اس وقت شہر سے کچھ دور قدرے سنسان سی جگہ پر درخت کے نیچے کھڑے آسمان سے گرتے شفاف قطروں کو دیکھ رہے تھے جب وہ بولی۔ فائز نے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا جو اپنے سامنے ہتھیلی پھیلائے بارش کی بوندیں سمیٹنے میں مگن تھی۔

"اور میں جانتی ہوں کہ آپ جناب ہمہ وقت بے حد مینٹین رہنے والے شخص ہیں مگر اس وقت میں چاہتی ہوں کہ ان بارش کے قطروں پہ ہمارا نام لکھا ہو اس لیے۔۔۔۔" وہ کہتے کہتے ایک دم پلٹی اور اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچتی درخت کی چھاؤں سے باہر نکل آئی۔

بارش کی پہلی بوند نے اسے سوچوں کے بھنور سے چونکایا۔ اس نے اپنے ہاتھ کی پشت پر گرے بارش کے ننھے قطرے کو دیکھا۔ کتنی ہی دیر خالی بے رونق آنکھیں اس پہ ٹکی رہیں۔ وہ بارشوں جیسی لڑکی اسے کب اتنی عزیز ہو گئی وہ جان ہی نہیں سکا تھا۔ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے وہ اس محبت کو محسوس ہی نہیں کر سکا جو ہزار کوششوں کے باوجود وہ اپنے دل سے کبھی ختم ہی نہیں کر سکا تھا۔ احساس ہوا تو تب جب بہت دیر ہو چکی تھی۔

"بھلا ایسا بھی کوئی کرتا ہے؟ کوئی اپنے ہاتھوں اپنی خوشیاں اجاڑتا ہے؟" وہ دایاں ہاتھ بھورے رنگ کے لانگ کوٹ کی جیب میں ڈالے دوسرے ہاتھ میں کتابیں تھامے دھیمے قدموں سے چلتا بارش میں بھیگتی بینچ پر بیٹھ گیا۔ سیاہ بال جنہیں وہ عموماً جیل لگا کر پیچھے کو سیٹ کیا کرتا تھا بارش سے گیلے ہو کر اس کے ماتھے پہ چپک گئے۔

"مگر نہیں! ہر گناہ کی ایک سزا ضرور ہوتی ہے۔ اس کا یہ انجام ہونا ہی تھا۔ اسے بھی سزا ملنی ہی تھی" اس نے سوچوں کا رخ دوسری سمت موڑنا چاہا۔ اپنے جلتے ہوئے دل اور ضمیر دونوں کو سمجھانا چاہا۔ ضمیر نے بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھا اور دل میں ایک شکوہ ابھرا تھا، ایک ملال اترا تھا۔

کاش!

****

ہر روز کے برعکس کینٹین اس وقت تقریباً خالی نظر آ رہی تھی۔ کاؤنٹر کے سامنے قرینے سے بچھی میزوں پہ اکا دکا اسٹوڈنٹس کرسیاں سنبھالے اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ کونے والی میز پہ ہمیشہ کی طرح وہ دونوں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ کینٹین کے داخلی دروازے کی سمت عائزہ کی پشت تھی جبکہ ربیعہ عائزہ کے بالکل سامنے والی کرسی پہ بیٹھی بریانی کے چاولوں پہ رائتہ ڈالتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

"اب یہ نیا شوشہ چھوڑ دیا پروفیسر اقبال نے۔ ارے گروپ پروجیکٹ کروانا ہی تھا تو دو کا گروپ بھی ہوتا ہے نا! انہیں کیوں تین کا ہی گروپ چاہیے؟" وہ ماتھے پہ بل لیے بول رہی تھی۔ اس کی رنگت گندمی اور ناک لمبی، باریک سی تھی۔ وہ سر پہ اسکارف لینے کی عادی تھی۔ اس وقت بھی چہرے کے گرد زرد رنگ کا اسکارف لپیٹ رکھا تھا۔

"مجھے تو یہی ٹینشن تھی کہ کس طرح ہم یہ برانڈ مینیجمنٹ (Brand Management) کا پراجیکٹ مکمل کریں گے اور وہ بھی اتنے کم وقت میں مگر ان کی اس شرط نے تو میری ساری پریشانی ہی ختم کر دی" ربیعہ کے برعکس وہ قدرے پرسکون سی بیٹھی بریانی سے انصاف کیے جا رہی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور نظریں پلیٹ میں موجود لیگ پیس اور چاولوں کے درمیان چھپنے کی کوشش کرتی کالی مرچ پہ ٹکی تھیں۔ بھورے سلکی بالوں کی پونی بنا رکھی تھی اور چہرہ ہلکے نارنجی رنگ کے دوپٹے کے ہالے میں دمک رہا تھا۔ وہ گوری رنگت اور خوبصورت نقوش والی لڑکی سادہ لڑکی تھی جس کی آنکھوں سے اس کی ذہانت کا احساس ہوتا تھا۔

"ہیں؟ کیوں؟ ایسا کیا نظر آیا تمہیں اس شرط میں؟" ربیعہ نے ہاتھ روک کے اس کا چہرہ دیکھا جس پہ پڑتا دوپٹے کا عکس اسے کچھ اور جاذب نظر بنا رہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے جب بچپن میں ہم کوئی کھیل کھیلا کرتے تھے اور پھر کوئی نیا بچہ آکر ہمارے ساتھ کھیلنے کی کوشش کرتا تھا تو ہم کیا کرتے تھے؟" وہ ہنوز بریانی پہ جھکی اس سے مکمل انصاف کرنے میں مگن تھی۔

"نئی گھوڑی نئی چال!" ربیعہ دھیمے سے بڑبڑائی۔

"ہمم! یہی" عائزہ نے چاولوں سے بھرے منہ کے ساتھ جواب دیا۔

"تو تم سارا پراجیکٹ اس فائزمیر سے بنوانا چاہتی ہو؟ تمہیں لگتا ہے وہ بنا دے گا؟" ربیعہ ہنوز ہاتھ روکے اس کا پرسکون چہرہ تک رہی تھی۔

"فائزمیر وہ نیا بچہ ہے جسے اس کالج میں اسٹوڈنٹس سے لے کر پروفیسرز تک کوئی نہیں جانتا۔ پچھلے تین سمسٹر تو اس نے بغیر کوئی کلاس اٹینڈ کیے ہی دے دیے مگر یہ آخری سمسٹر اس کو ہر اسٹوڈنٹ کی طرح دینا پڑے گا جس کی وجہ سے اسے یونیورسٹی میں دوستوں کی بہت ضرورت پڑنے والی ہے۔ ہم اسے اس بات کا احساس دلائیں گے اور یہی وہ وجہ ہے کہ وہ چپ چاپ ہماری ہر بات مانے گا" وہ بے حد آرام سے ربیعہ کو اپنے پلانز سے آگاہ کر رہی تھی۔

"تو ہم اتنا اہم پراجیکٹ اس کے حوالے کر دیں گے؟"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ تینوں سمسٹر میں ٹاپ پہ رہنے والا بندہ فائز میر ہی تھا" اس نے ایک پل کو نظر اٹھا کر سامنے بیٹھی ربیعہ کی بے خبری پر افسوس کیا اور دوبارہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

"دیکھو! تم ٹینشن مت لو۔ پچھلے ہفتے میڈم سفینہ کے ٹیسٹ دے دے کر پہلے ہی جان آدھی ہو چکی ہے ہماری۔ اب یہ پراجیکٹ اس نرڈ کو سنبھالنے دو۔ اس کے تعلیمی رکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ وہ پڑھاکو قسم کا سارا دن اپنی موٹی سی عینک اور جھوا بھر کتابیں لیے ایک کونے میں بیٹھ کر انہیں میں غرق رہنے والا انسان ہے۔ اسے ہمارا دیا کام کافی پسند آئے گا اور ہم آرام سے یہ ہفتہ تمہاری آپی کی کلنگ کی داد دیتے اور سوتے گزاریں گے۔ کیا خیال ہے؟" اس نے کہتے کہتے آخر میں سوالیہ نظریں اٹھا کر ربیعہ کا چہرہ دیکھا جو اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ عائزہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو اپنی میز کے قریب ایک انتہائی ویل ڈریسڈ شخص کو کھڑا پایا جس کے نقوش تیکھے اور رنگت صاف تھی۔ وہ جو بھی تھا یقینا جانتا تھا کہ اپنی چارمنگ پرسنالٹی کو مزید سحر انگیز کس طرح بنانا ہے۔ بربری کی گہری نیلی شرٹ اور بھوری پینٹ میں ملبوس چہرے پہ مکمل سنجیدگی طاری کیے وہ اسی کی سمت متوجہ تھا۔

"آپ عائزہ ہیں؟" بے حد روکھے لہجے کے باوجود اس کی بھاری مردانہ آواز میں بھی ایک الگ سا سحر تھا یا شاید عائزہ کو ہی ایسا محسوس ہوا۔ وہ کچھ لمحوں تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر جیسے کسی نتیجے پہ پہنچتے ہوئے چاولوں سے سنے ہاتھ لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ انکوائری کمیٹی سے ہیں نا؟" کڑی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا گیا۔

"جی نہیں۔ میں۔۔۔"

"ارے جائیں! مجھے معلوم ہے آپ انکوائری والے ہی ہیں۔ ارے آپ کا حلیہ بتا رہا ہے مگر میں آپ کو بتا دوں کہ میں کوئی پیسے وغیرہ نہیں بھرنے والی۔ ہاں ٹھیک ہے میں نے کلاس روم کے سارے پنکھے توڑے۔ تو کیا؟ وہ کون سا کام کرتے تھے؟ خالی دیکھنے کے لیے ہی تو نہیں لگایا جاتا انہیں؟ اب انہیں بدلوانے کے بجائے آپ لوگ یہاں مجھ سے۔۔۔۔۔۔"

"میں آپ کا کلاس فیلو ہوں، کسی انکوائری کمیٹی سے نہیں آیا" اس نے جیسے عائزہ کی نان اسٹاپ چلتی زبان سے تنگ آ کر بات کاٹی۔

"ارے بس بھی کریں۔ ایسے جھوٹ بول کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ؟ یہاں کوئی اسٹوڈنٹ ایسے بربری کی شرٹ پہن کر نہیں گھومتا۔ اور آپ کے تو جوتے بھی۔۔۔۔"

"آپ شاید ربیعہ ہیں۔ رائٹ؟" وہ اسے بولتا چھوڑ ربیعہ کی سمت گھوما۔

"جی۔جی" وہ جو اشاروں سے عائزہ کو باز رکھنے کی کوششوں میں مصروف تھی ایکدم سے اس کو اپنی سمت متوجہ ہوتے دیکھ کر سٹپٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا نام فائز میر ہے۔ سر اقبال نے بھیجا ہے مجھے۔ غالبا انہوں نے ہی آپ دونوں کو مجھے اپنے گروپ میں لینے کا مشورہ دیا ہو گا" وہ اب کہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں عائزہ کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے کہہ رہا تھا جبکہ عائزہ پہ گھڑوں پانی پڑ چکا تھا۔

"جی۔ انہوں نے ہی کہا تھا" ربیعہ بری طرح شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری! میں بالکل بھی آپ کے اس ہفتہ کا پلان خراب نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر آپ دونوں خود محنت کر کے اس پراجیکٹ میں حصہ نہیں لینا چاہتیں تو سر اقبال سے بات کر لیں کیونکہ میں موٹے چشمے اور لوگوں سے گھبرا کر کونے میں کتابوں میں چھپنے کی کوشش کرنے والا نرڈ نہیں ہوں۔ اگر ہم ساتھ کام کریں گے تو محنت بھی مل کر کرنی ہو گی" وہ بظاہر نارمل انداز میں کہتے کہتے آخر میں عائزہ کو دیکھ کر رکھائی سے بولا۔

"اور مجھے امید ہے کہ آپ کی اسپیکنگ اسکلس پریزنٹیشن کے وقت کام آ جائیں"

عائزہ کا جی چاہا اس بربری کے چلتے پھرتے مینکوئین کو اٹھا کر کینٹین کے باہر پھینک آئے جس کی بدولت اس کا اس ہفتہ کا پلان برباد ہونے والا تھا۔

"کیا تھا جو یہ انتہا کا ہینڈسم اور مغرور انسان ہونے کی بجائے واقعی سیدھا سادہ انسان ہوتا جس سے ہم۔۔۔۔"

"ہمیں کون سی برانڈ چننی ہے اس پہ آپ ریسرچ کرنے کے بعد فیصلہ کریں گی۔ ہمارے پاس وقت کم ہے اور کام زیادہ تو ہمیں ایک ایک لمحہ یوٹلائز utilize)) کرنا ہو گا۔ بہتر ہو گا کہ اگلے دو گھنٹوں تک آپ کی ریسرچ مکمل ہو جائے" وہ

اچانک اس کی سمت مڑ کر بولا تو وہ بوکھلا گئی۔ سحر انگیز بھاری آواز نے تیزی سے بھاگتی سوچوں کی گاڑی کو بریک لگائے۔

"جج۔۔۔۔جی" عائزہ اس کے اس طرح فیصلہ سنانے پہ ہڑبڑا کر بولی۔ اس نے ایک لمحے کو سامنے کھڑی لڑکی کا بے داغ چہرہ دیکھا جس پہ بلا کی معصومیت نظر آتی تھی پھر کلائی پہ بندھی سیاہ راڈو گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

"مجھے دو گھنٹوں بعد آڈٹوریم میں ملیں" حکم دے کر وہ بنا ان کی بات سنے باہر نکل گیا۔

"ہاہ....." اس کے باہر نکلتے ہی دونوں کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔

"اس نے ہماری ساری باتیں سن لیں" ربیعہ نے اطلاع دینے والے انداز میں کہا۔

"اور اب ہم اس پہ نہیں وہ ہم پہ حکم چلا رہا ہے" دونوں اگلے ایک ہفتے کا سوچ کے روہانسی ہو گئیں۔

"یار کیسے گزرے گا وقت اس کے ساتھ؟ اوپر سے ریسرچ بھی اسے دو گھنٹوں میں چاہیے۔ یہ تو سر اقبال کا چھوٹا بھائی لگتا ہے" ان دونوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

کینٹین کے باہر فائز پتھریلی روش پہ چہرے پہ بیزاری لیے سیدھا چلتا جا رہا تھا۔

"جانے کیا سوچ کے پروفیسر اقبال نے مجھے ان دونوں کے ساتھ کی تجویز دے ڈالی۔ پتا نہیں انہیں کچھ آتا بھی ہے یا نہیں؟"

****

اس نے کانپتے ہاتھوں سے خون میں لت پت ہاتھ کو تھام کر نبض چیک کی جو اب دھیمی پڑ چکی تھی۔ اسی پل سیل کی نامانوس تیز آواز نے اسے چونکایا۔ یہ اس کا فون نہیں تھا بلکہ سرخ جوڑے میں ملبوس زندگی کی آخری سانسیں گنتی اس لڑکی کا تھا۔

فائز نے فون اٹھا کر روشن اسکرین پر نظر ڈالی تو اس پر اماں کالنگ جگمگا رہا تھا۔ اس نے ایک پل کے لیے سوچا کہ فون بند کر دے مگر اگلے لمحے وہ کال ریسیو کر کے کان سے لگا چکا تھا۔

"عائزہ سب ٹھیک ہے نا؟ جانے کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے بیٹا! مجھے بتاؤ سب ٹھیک ہے نا؟" خالدہ کی گھبرائی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ فائز نے نظریں گھما کر عروسی لباس میں ملبوس اس معصوم لڑکی کو دیکھا جس کے

لباس کا رنگ مزید سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی دھیمی سانسیں بھی اب بند ہو چکی تھیں۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک منظر اپنی پوری جزئیات کے ساتھ بیدار ہوا۔ غصے کی تیز لہر نے بہت تیزی سے فائز کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ اس نے کان سے فون ہٹا کر بستر پہ پٹخ دیا پھر بیڈ سے کچھ فاصلے پر موجود اپنا تیار شدہ بیگ اٹھا کر کاندھے پہ ڈالا۔ جھک کر بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھا پاسپورٹ اور ویزہ اٹھا کر جیب میں رکھا۔ والٹ چیک کیا اور بہت آہستگی سے پچھلے دروازے سے باہر نکل آیا۔ دروازہ بند کرنے کی زحمت بھی نہیں کی گئی تھی۔

وسیع لان ہمیشہ کی طرح سنسان پڑا تھا۔ مصنوعی روشنیاں جیسے لان کی تنہائی کو مزید عیاں کر رہی تھیں۔ فائز کو دور کونے میں کھڑا گلمہر کا درخت بہت اداس لگا۔ اس لڑکی کی محبت، وہ درخت!

سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ایک دم اس کے قدم لڑکھڑائے۔ اس نے سنبھلتے ہوئے ریلنگ کا سہارہ لیا۔ ایک پل کے لیے مڑ کر کھلے دروازے سے نظر آتے فرش پہ پڑی سرخ جوتیوں کو دیکھا پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

اس کی کلائی پر بندھی ریڈیم ڈائل گھڑی ڈھائی بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد اس کی فلائٹ تھی اور اس کے بعد کوئی اس کی خاک بھی نہیں پا سکتا تھا۔

"دنیا میں کسی اپنے کا نہ ہونا بھی ہمیں بہت سی پریشانیوں سے بچا لیتا ہے" اس نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے تلخی سے سوچا۔ گیٹ کھولتے چوکیدار نے اسے کافی حیرت سے دیکھا تھا۔

****

کافی دیر سے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے بالآخر بیزار ہو کر اس نے اپنی نازک کلائی پر بندھی سنہری گھڑی پر ایک بیزار سی نظر ڈالی۔ گھڑی کی سوئیوں کو چار بجنے کا اعلان کرتے دیکھ کر اس کی بیزاری میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"کہاں رہ گیا یار؟ ویسے تو بڑا وقت کا پابند بنتا ہے" تنگ آ کر وہ ایک سائے دار درخت کے نیچے موجود سنگی بنچ کی طرف بڑھی۔ آج گرمی بھی روز سے زیادہ تھی۔ سورج تھا کہ جیسے سر پر ہی آ کھڑا ہوا تھا۔

"ویسے اس نے مجھے اس وقت بلایا کیوں ہے؟" اس کے دماغ میں بار بار ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔

"ایک تو یہ بندہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ پل میں شولہ، پل میں شبنم! پروجیکٹ کے دوران بھی جب دل ہوتا تعریفوں کے پل باندھ دیتا اور جب موڈ خراب ہو سب کے سامنے جھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ جانے کیسا انسان ہے۔ اس وقت بھی

امر جنسی کا کہہ کر چھٹی برباد کرنے کا سامان کر لیا اور خود جیسے کوہ قاف میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے" وہ غصے سے بل کھائے جا رہی تھی۔ تبھی اسے فائز سامنے سے آتا نظر آیا۔ سیاہ پینٹ پہ سیاہ ہی شرٹ پہنے، آنکھوں پہ سیاہ گلاسز ٹکائے وہ سیدھا اسی کی سمت چلا آ رہا تھا۔

"شکر اللہ" بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے وہ دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سوری مجھے دیر ہو گئی" وہ قریب آ کر معزرت خواہ لہجے میں گویا ہوا جبکہ عائزہ کی نظریں بغور اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ویسے تو وہ ہمیشہ ہی ٹپ ٹاپ رہتا تھا مگر آج فائز کی تیاری اسے کچھ خاص سی لگی۔ سیاہ سوٹ میں اس کی اجلی صاف رنگت کچھ اور دمک رہی تھی۔ سیاہ گھنے بالوں کو جیل لگا کر سامنے سے پیچھے کی سمت سیٹ کیا گیا تھا۔ وہ ایک پل کو اس پر سے نظریں نہ ہٹا سکی۔ جانے وہ اس کا اعلی ڈریسنگ سینس تھا یا چہرے پہ موجود سنجیدگی جو اسے جاذب نظر بناتی تھی۔

"اصل میں آج ٹریفک کچھ زیادہ ہی تھا" اس کی وضاحت پر بھی عائزہ کی خاموشی بے تاثر نظریں اس کے ہاتھوں میں موجود سرخ گلابوں کے بکے پر ٹکی رہیں۔

"آؤ اس گلموہر کی سمت چلتے ہیں" فائز نے کچھ فاصلے پر موجود درخت کی سمت اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے اس کے ہم قدم ہو لی۔

"بہت ناراض ہو کیا؟" اس کی مسلسل خاموشی سے وہ جیسے غیر آرام دہ ہو کر بولا۔

"کیا امر جنسی تھی جو چھٹی کے دن بھی آپ کو مجھ جیسی نکمی لڑکی کی شکل دیکھنے کی ضرورت پڑ گئی؟" وہ سامنے دیکھتے ہوئے چڑے ہوئے انداز میں گویا ہوئی تو فائز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اب آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟ ہاں! میرا ویک اینڈ خراب کر کے تو بہت مزا آ رہا ہو گا نا آپ کو؟" اس کے کہنے پہ فائز نے آنکھیں چھوٹی کر کے اس کا دھوپ کی حدت سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھا جو بغیر اس کی سمت دیکھے بھی اس کی ہر حرکت پہ نظر رکھے ہوئے تھی۔

"یہ نکمی شکل دیکھنے کی اس قدر عادت ہو گئی ہے کہ ایک دن بھی یہ چہرہ نا دیکھوں تو زندگی اداس لگنے لگتی ہے" بھاری لہجے میں ادا کیے گئے جملے پہ عائزہ کے تیزی سے آگے بڑھتے قدم زنجیر ہوئے۔

"کیا؟" وہ چہرے پہ لاتعداد احساسات لیے اس کی سمت مڑی۔ فائز نے بھی بے اختیار ایک گہری سانس اندر کھینچی۔

"مجھے نہیں پتا تمہیں میری بات کیسی لگے گی اور تمہاراری ایکشن کیا ہو گا مگر۔۔۔۔۔۔" وہ کہتے ہوئے ایک لمحے کو رکا۔ عائزہ کی بے چین نظریں تیزی سے فائز کے وجیح چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"میں اقرار کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے" بات مکمل کر کے اس نے بغور سامنے موجود لڑکی کو دیکھا جو سرخ پھول دار سوٹ پہنے اس کے دل میں اتری جا رہی تھی۔

"کیا؟" اس کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت در آئی۔ اس کے تو وہم و گمان تک میں نہیں تھا کہ اس کے ہاتھوں میں موجود ان سرخ گلابوں کے پیچھے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ کتنی ہی دیر شاک کے عالم میں کچھ بول نہ سکی۔

"ہاں عائزہ! میرے دل میں تمہارے لیے یہ احساس پچھلے دو مہینوں سے موجود ہے۔ مگر ان دو مہینوں میں جانے کیوں میں تم سے کہہ نہیں سکا۔ بس خاموشی سے تمہیں دل میں ہی چاہا۔ دور سے دیکھتا رہا اور۔۔۔۔۔۔۔"

"آپ مزاق کر رہے ہیں نہ؟" اس کی آنکھوں کی حیرت اب بے یقینی میں ڈھل چکی تھی۔

"نہیں میں مزاق نہیں کر رہا۔ میں واقعی تم سے محبت کرتا ہوں۔ شاید اب بھی تمہیں نہ بتاتا پر جب ربیعہ نے مجھے بتایا کہ تمہارا پروپوزل آیا ہوا ہے اور شاید۔۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا اور تب اسے سمجھ آیا کہ فائز میر نے اسے اتنی امر جنسی میں اس کڑی دھوپ میں کیوں بلایا تھا۔

"تو اب آپ کیا چاہتے ہیں؟" اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح ری ایکٹ کرنا چاہیے۔ فائز میر جیسے کٹھور شخص سے وہ اس بات کی بالکل بھی توقع نہیں کر رہی تھی۔ ہاں مگر دل کا ایک کونا خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

"بس یہ کہ ان گلابوں کو قبول کر لو" وہ ہولے سے مسکرایا۔ عائزہ نے بے ساختہ نظریں پھیر لیں۔ اس کی مسکراہٹ پر تو پہلے ہی اس کا دل دھڑک اٹھتا تھا اور اب تو وہ شخص-85...وہ مغرور شخص خود آ کر اس سے اظہارِ محبت کر رہا تھا۔

اس نے ایک پل سوچا اور پھر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں میں موجود بوکے تھام لیا۔ فائز کی آنکھوں کی چمک کو اس نے بہت واضح طور پر بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کچھ کہو گی نہیں؟" اس نے دھیرے سے جھک کر استفسار کیا۔ عائزہ کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔ اس کی طویل خاموشی پر فائز نے گردن موڑ کر اس کے معصوم چہرے کو دیکھا۔

"میں تم سے کچھ نہیں مانگتا عائزہ!بس میرا ساتھ دینا"اس کی بات پر وہ کھل کر مسکرا دی۔

"یہ پھول بہت خوبصورت ہیں"اس نے تازہ گلابوں کی مہک اپنے اندر اتاری۔

"تمہاری طرح"فائز نے ہنوز اپنی خوبصورت مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

"میں اب چلتی ہوں"وہ ایکدم اس کے سائیڈ سے ہوتے ہوئے آگے بڑھی۔

"کیوں؟اتنی جلدی؟"وہ بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔

"اماں اکیلی ہیں۔میں انہیں بتا کر بھی نہیں آئی۔مجھے اچانک غائب پا کر پریشان ہی نا ہو جائیں"اس نے فائز کو تفصیل سے آگاہ کر کے قدم بڑھائے ہی تھے کہ اس نے عائزہ کا ہاتھ تھام لیا۔اس نے حیرت سے فائز کو دیکھا۔

"ساتھ دو گی نا میرا؟"اس کے لہجے میں ایک بے چینی سی تھی۔

"محبت کی ہے تو اعتبار کرنا بھی سیکھ لیں کہ اعتبار محبت کی پہلی شرط ہے"اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر قدم آگے بڑھا دیے۔فائز کی نظروں نے گلی کے موڑ تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

****

کلنک اسٹریٹ سے نکل کر اس نے کیفے نیرو کی طرف قدم بڑھائے۔آج موسم کافی ابر آلود تھا۔فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔اس نے گردن کے گرد مفلر لپیٹتے ہوئے گلاس ڈور کھولتے ہوئے کیفے کے اندر قدم رکھے۔اندر کا ماحول قدرے گرم تھا۔اس نے ایک گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے فضا میں بسی کافی کی خوشبو اپنے اندر اتاری اور سامنے موجود کاؤنٹر کی سمت چلا آیا۔

"Black coffee as always sir?" اسے دیکھتے ہی کاؤنٹر پہ موجود سنہرے بالوں اور قدرے سرخی مائل چہرے والی بارسٹا(barista) مسکرا کر گویا ہوئی۔

"Macchiato" فائز نے اپنے ازلی روکھے لہجے میں آرڈر دیا۔

"Sure" وہ کہتے ہوئے تیزی سے اپنے کام میں لگ گئی جبکہ فائز کی نظریں کافی کپ میں گرتے بھورے مائع پہ جم گئیں جو دھیرے دھیرے کپ میں بھرتا جا رہا تھا۔

"اس قدر چائے کیسے پی لیتی ہو تم؟" اس نے اپنے سامنے بیٹھی عائزہ سے سوال کیا تو چائے کا گھونٹ بھرتی عائزہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔

"جس طرح آپ کافی پیتے ہیں"

"میں گرمیوں میں کافی نہیں پی سکتا" فائز کی نظریں ہنوز اس کے ہاتھوں میں موجود ڈسپوزیبل کپ پہ ٹکی تھیں جس سے اڑتی بھاپ طرح طرح کے نقش بناتی فضا میں تحلیل ہوئی جا رہی تھی۔

"وہ اس لیے کہ آپ کو کافی پسند ہے، مجھے چائے سے عشق ہے" عائزہ کے گلابی ہونٹوں پہ ہنوز مسکراہٹ ٹکی ہوئی تھی۔

"Here you go" بارسٹا کی آواز اسے واپس حال میں کھینچ لائی۔ اس نے کاؤنٹر پہ موجود اس چھوٹے سے کپ کو دیکھا جس میں موجود بھورے مائع کی سطح پہ زرا سا اسٹیمڈ ملک ڈال کر دل بنایا گیا تھا۔

"Thanks Austin" وہ کپ لیے مڑ گیا۔ اندر کے گرم ماحول کے بجائے باہر ہی ٹھنڈے موسم میں بیٹھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ ایک میز کے قریب چلا آیا۔ سرد ہوائیں جیسے اس کی کالی جرسی کو چھیدتی ہوئی اندر گھسی جا رہی تھیں مگر اسے احساس نہ تھا۔

"میں نے تم سے کبھی محبت نہیں کی فائز! نہ ہی کر سکتی ہوں۔ میں نے کبھی تمہارے ساتھ جینا نہیں چاہا، نا ہی جینا چاہوں گی۔ مجھے تم سے نفرت نہیں ہے مگر محبت بھی نہیں ہے۔ ہمارے درمیان جو ایک بے نام رشتہ تھا آج اس کا اختتام ہو جانا چاہیے۔ مجھے آج اس سے یہ سب کہہ دینا چاہیے ربیعہ؟" اس کے کانوں میں جیسے سور پھونکا گیا تھا۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ چند پل تو وہ پلکیں بھی نہ جھپک سکا۔ کلاس کے اندر وہ ربیعہ سے اور بھی جانے کیا کہہ رہی تھی۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ سماعتیں جیسے سننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی تھیں۔ قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ نا وہ آگے بڑھ پا رہا تھا اور نا ہی پیچھے۔

کلاس سے باہر نکلنے کے ارادے سے دروازے کی سمت پلٹتی عائزہ سامنے ساکت کھڑے فائز کو آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہی تھی۔ فائز کے چہرے پہ کیا نہیں تھا۔ بے یقینی، اعتبار ٹوٹنے کا دکھ، اپنی محبت کی بے قدری کا درد اور۔۔ نفرت! بے انتہا نفرت!

وہ بغیر اس سے کچھ کہے، کوئی جواب طلب کیے.. کوئی شکوہ-85. کوئی استفسار کیے بغیر ہی پلٹ کر لمبے لمبے دگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

ماضی کی بھول بھلیوں میں ڈوبتے ابھرتے ہوئے اس نے کافی کی تلخی اپنے اندر اتاری۔

-"تم کہتی تھی نہ میرے لیے جان بھی دے سکتی ہو؟" آنکھوں میں عجیب سی چمک لیے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

گرم کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے ایک اور یاد ذہن میں تازہ ہوئی۔

"چلو میں ہی لے لیتا ہوں" سائلنسر لگی پستول سے نکلی گولی اس کے سینے میں اتر چکی تھی۔ وہ بستر پر گری تھی اور-85.-85.

فائز نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"آخر اب کیوں سوچتا ہوں میں تمہیں؟ اب بھی کیوں سکون نہیں ہے مجھے؟ اب بھی کیوں رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے؟ اب بھی تم کیوں یاد آتی ہو؟ کیوں؟" اس نے میز پر کپ رکھتے ہوئے خود سے سوال کیا۔

"کونکہ تم نے گناہ کیا ہے فائز میر! تم نے اس لڑکی کا قتل کیا ہے۔ ظلم کیا ہے اور ظالم کبھی سکون سے نہیں رہتے" اس کے اندر ہی کہیں سے آواز اٹھی تھی۔ شاید یہ اس کا ضمیر تھا جو اس پہ فرد جرم عائد کر رہا تھا۔

"کوئی ظلم نہیں کیا میں نے۔ اس نے میرا دل دکھایا، میرے جزبات کا مزاق بنایا۔ اسے یہ سزا ملنی ہی چاہیے تھی" اس نے ضمیر کو بہلانا چاہا مگر وہ مسلسل کچوکے لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ ساری تلخ کافی اپنے اندر اتار کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

****

تجھے مل کے یہ دل کہتا ہے

کہ میں خود سے ہی آج ملی ہوں

صحن میں نیم کی چھاؤں میں چارپائی پر لیٹی اماں نے مگن انداز میں گنگناتی عائزہ کو بہت دھیان سے دیکھا۔ سفید سوٹ پہ سرخ گوٹا پٹی والا دوپٹہ سر پر لیے وہ مسکراتے ہوئے مگن انداز میں صحن میں بکھرے نیم کے پتوں کو جھاڑو کی مدد سے سمیٹنے میں مگن تھی۔ خاموش طبع سی عائزہ آج کل انہیں بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ آج کل تو اس کے ہونٹوں

سے مسکان جدا ہی نا ہوتی تھی۔ سفید رنگت میں گلابیاں گھلنے لگی تھیں۔ ان کے دل میں خدشے سر اٹھانے لگے۔ اندیشوں سے گھبرا کر وہ اٹھ بیٹھیں۔

"شاید میں نے اتنی اہم بات اسے نہ بتا کر بہت بڑی غلطی کر دی ہے۔ اس کے ہوش سنبھالتے ہی مجھے اس کو سب بتا دینا چاہیے تھا" ان کی نظریں اب کچن کی سمت بڑھتی عائزہ کی پشت پہ ٹکی تھیں۔

"اللہ کرے جو میں سوچ رہی ہوں ویسا نا ہو۔ میں جلد ہی اسے سب بتا دوں گی" وہ کچھ دیر یونہی خالی نظروں سے کچن کی سمت دیکھتی رہیں پھر فیصلہ کر کے دوبارہ لیٹ گئیں۔

****

"کتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے؟" اس نے فائز کا بازو تھام کر مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ وہ دونوں آج پھر ٹہلتے ہوئے گھر سے کافی دور نکل آئے تھے۔ صاف ستھری سڑک بالکل سنسان تھی۔ سبک روئی سے چلتی ہوا نے موسم کی گرمی کو قدرے کم کر دیا تھا۔ سڑک کے کنارے کچھ کچھ فاصلے پر لگے نیم کے درختوں کے سائے تلے چلتے اس کے چہرے سے اس کے دل کی خوشی عیاں ہو رہی تھی۔

"اوپر دیکھو" فائز نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا۔

"ہمم؟؟" اس نے نا سمجھی کے سے انداز میں سر اٹھا کر نیلے آسمان کو دیکھا جہاں پرندے ایک قطار میں فضا میں پر پھیلائے اوپر اور اوپر چلے جا رہے تھے۔

"کوئی ایریا ہے؟" فائز کی نظریں بھی آسمان میں چکر کھا رہی تھیں۔

"نہیں" اس نے پرندوں سے نظر ہٹا کر اپنے برابر چلتے فائز کو زرا حیرت سے دیکھا۔ عائزہ کو اس کی پہیلیاں بوجھنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

"اتنا" بلآخر فائز نے اسے حیرت کے سمندر سے باہر نکالا۔

اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت، پھر خوشی اور پھر رشک اتر آیا۔ ہاں اسے خود پر رشک آیا تھا۔ اسے لگا وہ بھی ان پرندوں کی طرح آسمان میں کہیں اڑتی چلی جا رہی ہے۔ اوپر-85.. بہت اوپر!

"تم؟" فائز کی آواز پر وہ چونکی۔

"میں-85...؟" وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔

"میری محبت کو ظاہر کر سکے ایسی کوئی مثال مجھے نہیں ملتی فائز! جتنے بھی الفاظ ہیں وہ سب میری آپ کے لیے جو محبت ہے اس کے آگے کم ہی دکھائی دیتے ہیں۔ میں آپ سے جتنی محبت کرتی ہوں دنیا بھر کے تمام الفاظ ملا کر بھی بالکل صحیح انداز میں بیان نہیں کر سکتی۔ محبت کے انوکھے احساس کو الفاظ میں ڈھالنا بہت مشکل ہے میرے لیے" اس نے اپنے لمبے سلکی بالوں کی ادھر ادھر اڑتی لٹوں کو سمیٹ کر کانوں کے پیچھے کیا۔ فائز نے نرمی سے اس کے سر سے ڈھلکا سبز دوپٹہ واپس اس کے سر پر جما کر اسے دیکھا۔ سبز رنگ کے لباس میں ملبوس وہ بھی اس قدرتی حسن کا حصہ لگ رہی تھی۔

"آؤ اس سمت چلتے ہیں" اس نے سرسوں کے کھیت کے ایک طرف بنی چھوٹی سی دیوار کی سمت اشارہ کیا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی چل پڑی کہ اس کے سنگ تو وہ کہیں بھی کچھ سوچے سمجھے اور کہے بغیر جا سکتی تھی۔

"میں نہیں جانتا عائزہ مجھے تم سے کب محبت ہوئی تھی۔ مگر مجھ پر میری محبت تب آشکار ہوئی جب تم یونیورسٹی سے پورے پانچ دن کے لیے غائب ہو گئی اور وہ پانچ دن میں نے ساری رات جاگتے اور سارا دن تمہیں یونیورسٹی میں ڈھونڈتے، تمہارا انتظار کرتے گزارے تھے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میرا دل تو میرا رہا ہی نہیں۔ جانے کب مجھے دغا دے گیا" وہ دھیمے لہجے میں اپنے احساسات بیان کر رہا تھا۔

عائزہ نے کوئی جواب دینے کے بجائے سرسوں کا ایک پھول توڑ کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس کی اس حرکت پر وہ بیساختہ ہنس پڑا۔

"مگر مجھے پتا ہے کہ مجھے آپ سے کب محبت ہوئی تھی" اس کی نظریں ہنوز پھول پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"جب میں نے تم سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا" جواب فائز کی طرف سے آیا تھا مگر اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے فائز کو دیکھا جو ہمیشہ سے برعکس سفید ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس لاپروائی سے اس کچی دیوار پہ بیٹھا کہیں سے بھی بربری کے لباس پہن کر گھومنے والا شخص نہیں لگ رہا تھا۔

"جب میں نے آپ کو-85... من مائل میں دیکھا تھا" وہ شوخ انداز میں ہنسی۔ فائز کچھ دیر حیرانی سے اسے دیکھتا رہا پھر بات سمجھ آنے پر اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

۔"تو یہ کہو نہ کہ تمہیں مجھ سے نہیں بلکہ حمزہ علی عباسی سے محبت ہے" اس کے خفا خفا سے لہجے پر عائزہ کی رکی ہوئی ہنسی دوبارہ شروع ہو گئی۔

"تو یہ بات ہے؟ موصوف جیلس ہو رہے ہیں؟" اس نے فائز کو مزید تنگ کرنا چاہا۔

"جی نہیں۔ میں کیوں جیلس ہونے لگا؟ کوئی جیلس ویلس نہیں ہو رہا میں" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"اچھا نہ! میں مزاق کر رہی تھی" وہ زیادہ دیر اسے روٹھا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی تب ہی جلدی سے بولی۔ فائز نے بھی مصنوعی خفگی مزید جاری نہ رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے دوبارہ اس کی سمت چہرہ موڑا۔

"ہاں تو بتاؤ نہ کب ہوئی تھی تمہیں مجھ سے محبت؟" اس کی آنکھوں میں اشتیاق امڑ آیا۔

"بتاؤں گی۔ پر ابھی نہیں" اس نے نیم کے پتے کو ہتھیلی پر رکھ کر اس پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" فائز کی آنکھوں میں الجھن اتری۔

"وقت آنے پر بتاؤں گی، پر ابھی نہیں" وہ بضد رہی۔ فائز نے اصرار کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر اس کی ہتھیلی پر دھرے پتے کو بہت رشک سے دیکھا۔

"ہائے! اس پتے جیسی میری قسمت کیوں نہ ہوئی؟" اس کا یہ شرارتی لہجہ وہ اس عرصے میں بہت اچھی طرح پہچان چکی تھی۔ تب ہی عائزہ کی آنکھوں میں بھی شرارت اتری۔

"کیونکہ آپ نیم جیسے کڑوے نہیں ہیں نہ" اس کے جواب پر وہ کچھ دیر شرارت سے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"تو مجھے کھانے کا ارادہ ہے؟ جانتا ہوں وامپائر ہو تم۔ میرے خون کی پیاسی" وہ کھڑا ہو گیا۔ عائزہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

"ڈریکولا کا خون پی کر وامپائر دوبارہ مر جائے گی۔ ڈاکٹر نے ڈریکولا سے فاصلا بنائے رکھنے کو کہا ہے" اس نے فائز کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کہ طرف اشارہ کیا۔

"اس ڈاکٹر سے ضرور ملوانا۔ کچا نہ چبا جاؤں تو" اس کے جلے ہوئے انداز پر وہ ہنس پڑی۔

"اگر میں نیم جیسا کڑوا بن جاؤں تو۔۔۔" عائزہ نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔

"نیم جیسے تلخ لوگوں کی قسمت میں اکثر تنہائی لکھی ہوتی ہے۔ جس طرح نیم کی تلخی کی وجہ سے اسے کوئی پسند نہیں کرتا اسی طرح ان لوگوں کی تلخی کی وجہ سے کوئی ان کا دوست نہیں ہوتا۔ آپ نیم جیسے تلخ نہیں ہیں اس لیے آپ کی قسمت اس جیسی نہیں ہے" وہ ہنسی روک کر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ وہ اس کی بات پر دھیمی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے خاموشی سے چلتا رہا۔

"کبھی ٹیوب ویل سے پانی پیا ہے؟" دھیمے قدموں سے چلتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

"ابھی تک تو نہیں مگر آج شاید یہ تجربہ بھی ہونے والا ہے" اس نے کچھ فاصلے پر موجود ٹیوب ویل کو دیکھتے ہوئے کھنکتے لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں بالکل! نا صرف ٹیوب ویل بلکہ میں تو تمہیں چنے کا ساگ بھی کھلانے والا ہوں" اس کی بات پر وہ بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔

"کیا واقعی؟ ویسے مجھے پتا نہیں تھا فیضی! کہ اس قدر ویل مینرڈ انسان جو چائے بھی پورے احتمام کے ساتھ سجا کر پیتا ہو وہ ٹیوب ویل کا پانی اور چنے کا ساگ بھی کھا سکتا ہے" اس کی حیرت بجا تھی۔ وہ اس فائز سے آشنا ہی نا تھی جس سے آج ہو رہی تھی۔

"کافی" اس نے مکراہٹ دبا کر تصحیح کی۔ جانتا تھا وہ چڑھ جائے گی۔

"Whatever" منہ بنا کر وہ آگے بڑھ گئی۔

"مائے ڈیئر! کبھی کبھار ایسے بھی زندگی جینا اچھا لگتا ہے۔ سیدھی سادی خوبصورت زندگی" وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولا پھر اسے وہیں ٹھہرنے کا کہہ کر ٹیوب ویل کے مالک کی سمت بڑھ گیا کہ انہیں اس کی اجازت درکار تھی۔ عائزہ اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔

جب اس کے دل نے فائز کو سوچنا شروع کیا تھا۔ اسے پانے کا خیال اسے تب بھی نہیں آیا تھا کہ اس شخص کا حصول اسے کبھی ممکن لگا ہی نہیں تھا مگر اب-85... اب وہ پورے حق سے کہہ سکتی تھی کہ وہ شخص اس کا ہے۔ اب وہ اس کے اتنے قریب آچکی تھی کہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس سے دور بھی جا سکتا ہے۔ اسے خبر تھی کہ فائز کے بابا کا کچھ سال پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس کی ماں فائز کی پیدائش کے کچھ سال بعد ہی مالکِ حقیقی سے جا

ملی تھیں۔ جو تھوڑے بہت رشتہ دار تھے ان سے کبھی فائز کا رابطہ نہیں رہا تھا کہ وہ بیک وقت پڑھائی اور بزنس دونوں ہی سنبھال رہا تھا۔ وہ دونوں محض امتحانات ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے اور اس کے بعد وہ فائز کو اماں سے ملوائے گی۔ یقیناً وہ اس سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔

بچپن سے آج تک اس کی ہر خواہش پوری کرنے والی اماں اب کیسے اس کی اتنی بڑی خوشی میں خوش نا ہوتیں؟ وہ فائز کو انکار کر ہی نہیں سکتی تھیں مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ کہنے کو رہ ہی نہیں جاتا۔ وقت ہمارے ہاتھ پیر کچھ اس طرح باندھ دیتا ہے کہ ہمارے پاس خاموشی سے موت کو گلے لگا لینے کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن نہیں بچتا۔ پل میں ساری خوشیاں اجڑ جاتی ہیں۔ پل میں رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور پل میں ذات بکھر کر رہ جاتی ہے۔

****

آفس سے نکل کر ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے گہری سانس لی۔ اب تو تھکن کا احساس بھی جیسے مر گیا تھا۔ اسے کبھی کبھی لگتا جیسے وہ مشین بن کر رہ گیا ہے۔ دن رات کام کے علاوہ کچھ اور سوجھتا ہی نا تھا۔ ہاں مگر اس مصروفیت کے باوجود جب وہ یاد آتی تب اسے اپنے اندر ایک عدد دل کے موجود ہونے کا احساس ہوتا تھا۔

اس نے آج گاڑی کا رخ کیفے نیرو کی بجائے ایلیٹس کی سمت کر دیا۔ کار پارک کر کے اس نے اندر کی سمت قدم بڑھا دیے۔ آج بھی روز کی طرح موسم کافی سرد تھا اور اسی وجہ سے رش نا ہونے کے برابر تھا۔ کھڑکی کی سمت ایک خاموش گوشے میں موجود میز کا انتخاب کرتے ہوئے وہ اس کی طرف بڑھا۔ کافی کے ساتھ فرائز کا آرڈر دے کر پی سی آن کیا۔ ابھی کافی کام رہتا تھا۔ اس نے ٹیلی اوپن کر کے ڈسپلے سلیکٹ کیا ہی تھا کہ پرسنل میلز کا خیال آ گیا جو جانے کتنے عرصے سے چیک ہی نہیں کی تھیں۔ انباکس سامنے آتے ہی اس کا دل زور سے دھڑکا۔ سب سے اوپر ربیعہ کا نام لکھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے لب بھینچ کر میل اوپن کی۔ وہ اس سے کانٹیکٹ کرنے کا کہہ رہی تھی۔ میل اس کی شادی سے بھی پہلے کی تھی۔ اس نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔ پھر ساری میلز چیک کرنے کے بعد فیس بک پر پڑے ڈھیروں میسجز نپٹانے کا ارادہ کرتے ہوئے کب سے بند پڑا اکاؤنٹ اوپن کیا۔ میسجز چیک کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر اس کا دل زور

سے دھڑکا۔ یہاں بھی ربیعہ کا میسج موجود تھا۔ اس کا پہلا میسج پڑھتے ہی اس میں جیسے بجلی سی بھر گئی۔ اس نے تیزی سے ایک کے بعد ایک سارے میسجز پڑھ ڈالے۔

****

آج وہ بہت خوش تھی۔ آج کا دن اس کی زندگی کا حسین ترین دن تھا۔ آج ان کا آخری پیپر تھا اور وہ آج ہی اماں کو فائز کے بارے میں بتادے گی۔ فائز کے سنگ اپنی زندگی کے خوبصورت لمحات گزارتے وقت کا احساس ہی نا ہوا۔ وہ اس کے لیے کب ہر شے سے زیادہ اہم ہو گیا تھا وہ جان ہی نا سکی۔ اس کی آنکھوں کی بینائی تھا وہ! اس کے جسم میں موجود روح تھا وہ! وہ اب مزید انتظار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

گلی کے موڑ پر رک کر اس نے ہمیشہ کی طرح پلٹ کر فائز کو دیکھا جو اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر فائز کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ اس نے بھی مسکراتے ہوئے قدم آگے کی سمت بڑھا دیے۔

گھر کے اندر قدم رکھتے ہی اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔ آج گھر روز سے زیادہ صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔ صحن میں نیم اور گلمہر کی پتیاں بھی نا دکھائی دیں۔ برآمدے میں رکھی چارپائی کے ساتھ کرسیوں کو دیکھ کر اسے کسی مہمان کی آمد کا خیال آیا۔ مگر کون؟ ان کے یہاں تو کوئی نہیں آتا تھا۔ ابا کے بعد نا ابا کے کسی رشتہ دار کا آنا جانا تھا، نا ہی ننہال سے کوئی آتا تھا۔

Safar-e-ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے اماں کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ اماں تو نظر نہ آئیں ہاں مگر کمرے سے آتی ان کی آواز ضرور اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"ہاں بہن! عائزہ آپ ہی کی بیٹی ہے۔ جب چاہیں لے جائیں" ان کی آواز میں ایک کھنک سی محسوس ہو رہی تھی۔

"بس آپا! آپ نے میرے دل کی مراد پوری کر دی۔ میں تو ڈر رہی تھی کہیں اتنے عرصے کی بات آپ نے بھلا ہی نہ دی ہو" وہ کمرے کے کچھ اور قریب چلی آئی۔ انجانی آواز پر اس نے دروازے سے جھانکنا چاہا مگر بے سود! دروازے پہ پڑا پردہ اس کا منہ چڑھا رہا تھا اور وہ پردا سرکا کر دیکھنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔

"ارے یہ بھی کوئی بھلا دینے کی بات ہے آسیہ؟ زبان دی ہے ہم نے۔ ہم خاندانی لوگ اپنی زبان سے پھرا نہیں کرتے۔ سب یاد ہے مجھے" اماں کی بات پر اس نے ناسمجھی سے بھنویں سکوڑیں۔

"بس اب آپ شادی کی تیاریاں کریں۔ ہم جلد ہی اپنی عائزہ کو اپنے گھر میں روشنی بکھیرتے دیکھنا چاہتے ہیں" انجانی آواز نے اس کے حواس ہی صلب کر ڈالے۔ یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ کون سی بات؟ کہاں کی شادی؟" اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں بم پھوڑ دیا ہو۔ اس نے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے خالی خالی نظروں سے خاموش کھڑے گلمہر کے درخت کو دیکھا۔

"آپ نے عائزہ کو تو یہ بات بتا دی ہے نہ؟" انجانی آواز دوبارہ آئی۔

"ارے بہن! نہیں بتائی تو اب بتا دوں گی۔ میری عائزہ بہت فرماں بردار بچی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کرے گی۔ ویسے بھی یہ اس کے بابا کی خواہش تھی۔ وہ ان کا مان ضرور رکھے گی" اماں کی آواز میں یقین بول رہا تھا۔

"پھر بھی بہن! وہ ہمارا زمانہ تھا جب بچے والدین کی مرضی پر خاموشی سے سر جھکا دیا کرتے تھے۔ آج کل ایسا نہیں ہوتا۔ بچے اپنی پسند خود بتاتے ہیں" آسیہ بیگم کی بات پر خالدہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر میں نے اپنی بیٹی کی تربیت الگ طرح سے کی ہے اور مجھے اپنی تربیت پر پورا بھروسہ ہے۔ اطمینان رکھیں اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا" اس سے زیادہ وہ نہیں سن سکتی تھی۔ اس نے بمشکل اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالا اور خود کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

Safar-e-ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

****

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اتنی بڑی بات سے میں کیسے بے خبر رہی؟ اماں نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ بتانا تو دور کبھی سرسری ساذکر تک نہیں کیا۔ اور یہ لوگ اتنے عرصے تک کہاں غائب تھے؟ اب اچانک کہاں سے چلے آئے؟" اس کے دل و دماغ میں سوچوں کا ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا۔

"نہیں اماں ایسا نہیں کر سکتیں۔ مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ میں فائز کی جگہ کسی اور کو ایک پل بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ نہیں میں یہ نہیں کروں گی۔ یہ میری دسترس سے دور ہے۔ میں اماں سے بات کروں گی۔ وہ مان جائیں گی۔ یوں چپ چاپ اپنی دنیا اجڑنے نہیں دوں گی" اس نے ساری رات کروٹیں بدلتے ہوئے گزار دی تھی۔ دل اس قدر بے یقین تھا کہ اس کے ساتھ بھی ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔ فائز کے اظہار کے بعد سے تو اسے فائز کو پانا اتنا ہی آسان لگنے لگا تھا جتنا اس کے دل تک رسائی حاصل کرنا۔ وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھی۔ حبس تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس نے اٹھ

کر پچھلے صحن میں کھلنے والی کھڑکی کھول دی۔ ان خاتون کے جانے کے بعد اماں اس کے کمرے میں آئی تھیں مگر وہ سوتی بن گئی تھی۔ پھر وہ کھانے کے لیے بھی نہ اٹھی۔ بھوک اور نیند دونوں کا احساس مر گیا تھا۔ زندہ تھا تو صرف فائز کے چھن جانے کا احساس!

اس نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔ باہر سے آتی ہوا نے کمرے کے حبس کو کسی قدر کم کر دیا تھا مگر اس کے اندر کے حبس کو کم کرنے میں ناکام رہی تھی۔ اس نے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں لپیٹا۔ کچھ لٹیں پھر بھی اس کے چہرے کے اطراف جھولتی رہیں۔

"مجھے یقین ہے عائزہ انکار نہیں کرے گی" اماں کی آواز اس کی سماعت میں گونجی۔ وہ بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگا کر زمین پر ہی بیٹھ گئی۔

"یہ اس کے بابا کی خواہش تھی" اس نے کرب آنکھیں میچ لیں۔

"مجھے اپنی تربیت پر پورا بھروسہ ہے"

"اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا" آوازیں تھیں کی اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

"یہ اس کے بابا کی خواہش تھی" اس کی بند پلکوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر رخسار پر لڑھک گیا۔

"فائز یا اماں؟" اندر کسی نے سوال کیا تھا۔ اس نے تھک کر سر گھٹنوں پر گرا لیا۔

"فائز کے بغیر رہنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ میں اماں کو منالوں گی" فیصلہ کر کے اس نے قریب پڑا فون اٹھایا۔ فائز کی کئی مسڈ کالز پڑی تھیں۔ اس نے بے دلی سے فون ایک سمت ڈال کر دوبارہ سر گھٹنوں پر گرا لیا۔

****

"کیا ہوا عائزہ؟ اتنی پریشان کیوں ہو؟" کلاس ختم ہوتے ہی ربیعہ اس کے قریب چلی آئی۔ وہ خاموشی سے ہاتھوں میں موجود پھول کی پتیاں نوچتی رہی۔

"آج نہ تم نے کوئی لیکچر اٹینڈ کیا ہے نہ فائز کی کالز پک کر رہی ہو؟ بے چارہ کتنا پریشان ہے۔ بزنس کے کام میں پھنسا نہ ہوتا تو کب کا پہلی فلائٹ سے پاکستان آ چکا ہوتا۔ تم کیوں۔۔۔۔۔۔"

"اف یار! خاموش رہنا نہیں آتا تمہیں؟ کبھی چپ بھی رہ لیا کرو" عائزہ نے جھنجھلا کر اس کی بات کاٹی۔ ربیعہ نے غور سے اس کا ستہ ہوا چہرا دیکھا۔ ایک بھی لیکچر مس نہ کرنے والی عائزہ پورے تین دن بعد کالج آئی تھی اور آ کر بھی لیکچر اٹینڈ نہیں کیا تھا۔

"کیا پرابلم ہے؟ بتاؤ مجھے۔ دونوں مل کے کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔ مگر اس طرح خاموش رہنے سے تو کچھ بھی نہیں ہو گا نہ" اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ کوئی اہم بات ہے۔ مگر کیا؟ یہ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"عائزہ!" اسے ہنوز خاموش پا کر اس نے عائزہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ ربیعہ کے پکارنے پر اس نے اپنی سرخ آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"مجھے ابھی ڈسٹرب مت کرو ربیعہ! نہ میں کچھ بتانے کے موڈ میں ہوں نہ کچھ سننے کے۔ بس ابھی مجھے تنہا چھوڑ دو" اب کے اس پر جھنجھلاہٹ کے ساتھ بے بسی کا بھی حملہ ہوا تھا۔ ضبط کے باوجود پلکیں بھیگ گئیں۔ اس کے آنسو دیکھ کر ربیعہ حیران ہی تو رہ گئی۔ وہ عائزہ جو ہر دکھ ہنس کر سہہ جاتی تھی آج رو رہی تھی۔ اس کے لیے یہ منظر بہت تکلیف دہ تھا۔

"عائزہ پلیز! مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتی" ربیعہ کی آواز بھی آنسوؤں میں بھیگنے لگی۔ آج کل کالج میں بہت خاموشی تھی۔ ان دونوں کے علاوہ چند اسٹوڈنٹس ہی نظر آ رہے تھے۔ پیپرز کے بعد اب سب پریکٹکل کی تیاری میں مشغول ہو چکے تھے۔ آخر اس کے اصرار پر عائزہ نے ساری بات من و عن اس کے گوش گزار دی جسے سن کر ربیعہ تو سکتے میں ہی آ گئی۔ عائزہ نے پلکوں پر ٹکے آنسوؤں کو رگڑ کر صاف کیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا ربیعہ! میں کیا کروں؟ سوچتی ہوں اماں کی بات مان لوں تو فائز کا خیال چین نہیں لینے دیتا۔ فائز کے بغیر یہ زندگی، زندگی نہیں ہو گی۔ اس کے بنا جینے کا تصور ہی مجھے نڈھال کیے دے رہا ہے۔ کبھی اماں سے بات کرنے کا سوچتی ہوں تو ان کی یقین میں ڈوبی آواز کانوں میں گونجنے لگتی ہے۔ میں ان کا یقین کیسے توڑوں؟ میری اس بائیس سالہ زندگی میں انہوں نے میری ہر خواہش پوری کی۔ چھوٹی یا بڑی، ہر طرح کی۔ کبھی منع نہیں کیا۔ اور آج جب وہ میرے لیے پہلی دفعہ کچھ اپنی مرضی سے کرنے جا رہی ہیں تو میں ان کی یہ ایک خواہش بھی پوری نا کروں؟ ہر رات ایک فیصلہ کرتی ہوں اور ہر صبح دوسرا۔ ایک طرف میری محبت ہے دوسری طرف میری ماں! یہ کیسا آپشن ہے جس

میں اپنی مرضی کا کوئی آپشن ہی نہیں؟ اگر محبت چن لوں تو زندگی سے سکون کو خارج سمجھوں۔ اور اگر اماں کی خواہش پر سر جھکا دوں تو خوشی کا کہیں کوئی وجود ہی نہیں رہ جائے گا۔ میں زندہ رہوں گی مگر مجھ میں زندگی نہیں رہے گی۔ کیا کروں؟" اس کا حال تو اس کا حلیہ ہی بتا رہا تھا مگر اس کے لہجے نے اس کی دلی کیفیت بھی عیاں کر دی تھی۔ ربیعہ کی خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر اسے تسلی تو دینی ہی تھی۔

"پریشان مت ہو عائزہ! بس اللہ پاک سے دعا کرو۔ ایک دعا ہی ہے جو سب کچھ بدل سکتی ہے" ربیعہ کی بات پر وہ اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"فائز کو کچھ مت بتانا پلیز! میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی" جانے کہاں سے کھینچ تان کر وہ اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لائی تھی۔ ربیعہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ بچپن سے اسے ہمیشہ ہنستے کھلکھلاتے دیکھا تھا۔ آج اسے اس طرح دیکھنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ نہ کوئی قسمت بدل سکتا ہے نہ ہی مقدر کے لکھے کو ٹالا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات زندگی ایسے کڑے امتحان لیتی ہے کہ انسان کے اعصاب ہل کر رہ جاتے ہیں۔ پھر مضبوط سے مضبوط انسان بھی کسی سیلن زدہ دیوار کی طرح ڈھاتا چلا جاتا ہے۔ بکھر جاتا ہے اور پھر تا عمر بکھرا ہی رہتا ہے۔

****

فلائٹ لینڈ کرتے ہی اس کے دل کی بے چینی میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پلین کو یونورسٹی میں ہی لینڈ کروا دیتا۔ ائیر پورٹ سے نکلتے ہی اس نے ڈرائیور کو سامان گھر لے جانے کو کہا اور خود ٹیکسی کر کے یونورسٹی آ گیا۔ جب باہر کہیں وہ دشمن جاں نظر نہ آئی تو وہ سیدھا ان کی مخصوص کلاس کی سمت چلا آیا جہاں وہ دونوں اکثر پائی جاتی تھیں۔ کلاس کے قریب پہنچ کر اسے رک جانا پڑا کہ اندر سے آتی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔

"میں نے تم سے کبھی محبت نہیں کی فائز! نہ ہی کر سکتی ہوں۔ میں نے کبھی تمہارے ساتھ جینا نہیں چاہا، نہ جینا چاہوں گی۔ مجھے تم سے نفرت نہیں ہے مگر محبت بھی نہیں ہے۔ ہمارے درمیان جو ایک بے نام سا رشتہ تھا آج اس کا اختتام ہو جانا چاہیے۔ مجھے آج اسے یہ بتا دینا چاہیے نہ ربیعہ؟" یہ عائزہ تھی۔ اس کی عائزہ! اسے پل بھر کو یقین ہی نا آیا۔ اگر اسے یہ بات کوئی اور بتاتا تو وہ کبھی یقین نہ کرتا مگر اس کی قسمت کہ اس نے یہ خود سنا تھا۔ نہ جانے اسے خوش قسمتی کہیں گے یا بد قسمتی۔ وہ اپنی سماعتوں کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اسے لگا وہ کھڑا نہیں رہ پائے گا۔ اس نے سائیں سائیں کرتے

کانوں اور دھندلی ہوتی بصارت سے اندر دیکھنا چاہا اور تب اس نے سامنے کھڑی عائزہ کو دیکھا تھا۔ اسے عائزہ کا چہرہ صاف نظر نہیں آیا تھا مگر وہ جانتا تھا وہ عائزہ ہی تھی۔ اگلے پل اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی نفرت امڑ آئی۔ عائزہ کے ہونٹ کانپے تھے مگر اسے تو نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ سنائی دے رہا تھا۔ اس نے تو عائزہ کے آنسوؤں کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ستے ہوئے چہرے پر بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ اور پھر وہ پلٹ گیا۔ بغیر کچھ کہے۔۔۔ بغیر کوئی استفسار کیے، بنا کوئی شکوہ کیے۔ کتنی ہی دیر وہ بے جان جسم اور خالی دل لیے کھڑی اسے دور ہوتا دیکھتی رہی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اس نے جانا تھا کہ روح فنا ہونا کسے کہتے ہیں۔ اس کے آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہوتے ہی وہ واپس پلٹ آئی جہاں ربیعہ کی حالت کم و بیش اس جیسی ہی تھی۔ وہ گہری سانس لیتے ہوئے گرنے کے سے انداز میں اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"اس نے سن لیا ہے ربیعہ! میں نے جیسا چاہا تھا ویسا ہی ہوا۔ اس کے سامنے اسے فیس کرتے ہوئے اپنی محبت سے انکاری ہو جانا میرے لیے بہت مشکل ہوتا۔ میرا چہرہ تو کھلی کتاب ہے۔ میں کچھ بھی کہتی وہ چہرے سے میرا جھوٹ جان لیتا۔ اب شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب وہ مجھ سے ساری زندگی صرف نفرت کرے گا۔ اس کے لیے مجھے بھلا دینا اب بہت آسان ہو گا۔ اسے میری جدائی اتنی تکلیف نہیں دے گی۔ بے وفا سمجھ کر بھول جانا آسان ہوتا ہے" وہ تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے دھیمے لہجے میں اس سے کہہ رہی تھی۔ ربیعہ نے افسوس سے درد میں ڈوبی اس لڑکی کو دیکھا جس نے اپنی محبت کو اپنی ماں کے لیے قربان کر دیا تھا۔ اور اچھی لڑکیاں خود غرض نہیں ہوتیں۔ شاید وہ بھی عائشے گل کی اچھی لڑکیوں میں سے تھی۔

اپنی محبت سے دست بردار ہو جانا آسان نہیں ہوتا۔ دل مارنا پڑتا ہے۔ آنکھوں سے قطرہ قطرہ لہو رستا رہتا ہے۔ ساری زندگی جس شخص کی محبت میں دل جلتا رہے اسی سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ "نہیں! مجھے تم سے محبت نہیں"

احساس ہمہ وقت جلتے رہتے ہیں۔ دل دہک دہک کر کوئلہ ہو جاتا ہے اور ہونٹوں پر محض کچھ الفاظ ہی ہوتے ہیں۔

"نہیں! مجھے تم سے محبت نہیں!"

اس نے فائز کی نظروں میں خود کو گرا کر، بے وفا بنا کر خود کو بھول جانے کی وجہ تو دے دی تھی مگر نادان لڑکی یہ نہیں جانتی تھی کہ محبت خوبیاں دیکھ کر تو نہیں ہوتی۔ یہ تو بس ہو جاتی ہے اور ایک بار ہو جائے تو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ہمارے دل کے ایک خاموش گوشے میں ہمیشہ اِک درد مسلسل بن کر زندہ رہتی ہے۔

****

یونیورسٹی سے نکل کر اسے ٹیکسی کرنے کا خیال بھی نا آیا۔ وہ جلتے دل کے ساتھ سر جھکائے، بغیر کسی طرف دیکھے ایک سمت چلتا رہا۔ کانوں میں بس ایک آواز گونج رہی تھی۔

"مجھے تم سے کبھی محبت نہیں رہی" اس نے کالے بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہی تھیں۔ حیرت تو اس بات کی تھی کہ وہ سب کچھ سن کر بھی اپنے پیروں پر کھڑا تھا، سانس لے رہا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کا دل وہیں پھٹ پڑتا۔ پیروں میں جان نہ رہتی۔ جسم میں روح نہ رہتی۔

اس نے دھندلی بسارت کے ساتھ سامنے نظر آتے قطار میں لگے گلموہر کے درختوں اور ان کے ساتھ کھڑے بہار کے موسم میں بھی پتوں سے خالی نیم کے درخت کو دیکھا۔ شاید نیم کے ساتھ بھی گلموہر نے کچھ ایسا ہی کھیل کھیلا تھا۔ تب ہی تو موسم بہار میں بھی وہ درخت خزاں کے موسم کی یاد دلا رہا تھا۔

"مجھے اپنی محبت کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں ملتے فائز! شاید کوئی ایسی مثال ہے ہی نہیں جو تمہارے لیے میری محبت کو بالکل اسی انداز میں بیان کر سکے" اس کے قدموں سے قدم ملا کر چلتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ اس نے بے دردی سے اپنی جلتی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ اس لمحے تو اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ لڑکی جو سراپا محبت نظر آتی تھی اس سے اس طرح بے وفائی کرے گی۔ یوں تنہا کر جائے گی۔ اس طرح اس کے جزبات کا مزاق بنائے گی کہ اس کی آنکھیں لہو برسائیں گی۔

اس نے اپنے قدموں کو ساحل سمندر کی سمت موڑ لیا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں وہ اپنا سارا درد سمندر کے حوالے کر کے پر سکون ہو جایا کرتا تھا۔ والدین کے اسے یوں بھری دنیا میں اکیلے چھوڑ جانے کے بعد یہ وسیع سمندہ ہی تھا جس سے وہ اپنا ہر درد بانٹ لیا کرتا تھا۔ جو خاموشی سے اسے سنا کرتا تھا۔ آج عرصے بعد وہ دوبارہ اسی راہ پر گامزن تھا۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے نہ کہ ہمیں اپنے بالکل سامنے کی بات نظر نہیں آتی۔ محسوس تک نہیں ہوتی۔ بعض اوقات ہمیں جو دکھایا جاتا ہے ہم بغیر کسی تحقیق کے اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ مگر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب ہماری آنکھوں پر پڑا پردہ ہٹ جاتا ہے اور ہر منظر واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر بھی پردہ ڈال دیا گیا تھا۔ اس نے وہی دیکھا تھا جو عائزہ نے اسے دکھانا چاہا تھا۔ اگر اس وقت وہ عائزہ سے استفسار کر لیتا تو شاید ابھی یوں خالی ہاتھ نہ ہوتا۔

"بابا! آپ کہتے تھے انسان کی محبت ہمیشہ دکھ دیتی ہے۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ میں ہی نہیں سمجھ سکا" وہ بازوؤں پہ کوٹ ڈالے ریت پر بیٹھ گیا۔ نیلے پانی کی لہریں اس کے جوتوں کو بھگونے لگیں۔

"ماما کے جانے کے بعد آپ نے مجھے کبھی پیار نہیں کیا۔ صرف اپنی دولت سے محبت کی۔ تب میں آپ کو سمجھ نہیں سکا تھا مگر آج میں آپ کا درد محسوس کر سکتا ہوں" گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ حد نظر تک پھیلے سمندر کو دیکھتے ہوئے یادوں کے سفر پر نکلا ہوا تھا۔

"آپ نے صرف اپنے کام سے محبت کی کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کا بزنس، آپ کی دولت آپ سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ بے جان چیزیں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔ یہ تو انسان ہوتے ہیں جو خوبصورت خواب دکھا کر بھیانک حقیقت کے گرداب میں آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں" اس کی گہری سیاہ آنکھوں سے ایک نمکین قطرہ نکل کر سمندر کے کھارے پانی میں مل کر غائب ہو گیا۔

"میں نے آپ کی باتیں یاد نہیں رکھیں اور ایک انسان سے محبت کر لی۔ میں بھول گیا تھا بابا! کہ انسانوں کی محبت مار دیتی ہے" ہمیشہ کی طرح آج بھی سمندر اس کے تمام آنسو اپنے اندر جذب کیے لے رہا تھا۔

"اب میں آپ کی باتیں کبھی نہیں بھولوں گا بابا! کبھی نہیں" اپنے اندر کا سارا دکھ سمندر کے حوالے کرنے کے بعد جب وہ لوٹا تو اس کی آنکھوں میں عائزہ کے لیے سوائے نفرت کے کچھ نہیں تھا۔ نہ جانے محبت خود غرض کیسے ہو جاتی ہے؟ اگلے کی محبت کے ساتھ مشروط کیسے ہو جاتی ہے؟ محبت تو دینے کا نام ہے۔ نہ جانے کب محبت میں لینے کی رسم بھی شامل ہو گئی۔ نہ جانے کب محبت کی شکل اس قدر بدل گئی کہ اصل محبت کا وجود ہی باقی نا رہا۔ ڈپلیکیٹ کے اس دور میں محبت بھی ڈپلیکیٹ ملتی ہے۔ کیا اس بگڑی شکل والی محبت کو محبت کہیں گے؟

****

اماں بہت خوش تھیں۔ دل میں پنپتے بے شمار اندیشوں کے ساتھ جیسے جیسے وہ عائزہ کو اس کے بچپن سے طے رشتے کے بارے میں بتاتی گئیں ان کا ہر اندیشہ دور ہوتا گیا۔ اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھ کر انہوں نے اظفر کے گھر والوں کو تاریخ لینے کے لیے گھر آنے کی اجازت دے دی تھی۔ اور وہ-85..اس کے اندر جیسے خزاں کا موسم ٹھہر سا گیا تھا۔ یونیورسٹی جانا وہ تقریباً چھوڑ ہی چکی تھی۔ اس دن کے بعد سے دل ہی نہ چاہا کہ دوبارہ وہاں جائے اور فائز کا سامنا کرے۔ کہیں اس کے سامنے آتے ہی اس کا ضبط جواب دے جائے اور بڑی مشکلوں سے سنبھالا ہوا دل دغا دے جائے۔ ربیعہ کے بہت سمجھانے پر بھی وہ یونیورسٹی آنے کے لیے تیار نا ہوئی۔ اماں نے بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ان کے لیے یہ اچھا ہی تھا۔ ویسے بھی کچھ دنوں میں پریکٹکل شروع ہو جاتے تو کلاسز ویسے ہی ختم ہو جانی تھیں۔

اس نے منڈیر سے ذرا سا سر نکال کر باہر گلی کے موڑ کو دیکھا۔ پچھلے بہت سے دنوں کی طرح آج بھی وہ سنسان پڑا تھا۔ ویران رستوں کو تکنے والی آنکھوں کو کیا خبر کہ لوگ رستے بدل لیتے ہیں اور پھر پلٹ کر کبھی پرانے رستوں کی جانب سفر نہیں کرتے۔ نہ جانے کیسے لوگ اتنی آسانی سے خود کو ماضی سے الگ کر لیتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ساری زندگی ماضی کو سینے سے لگائے بچھڑے ہوئے لوگوں کے لوٹ آنے اور دوبارہ مل جانے کی امید کا دیا روشن کیے رکھتے ہیں۔ خواہ ان کی اپنی زندگی کی شمع بجھ جائے وہ امید کا دیا نہیں بجھنے دیتے۔

اس نے دوبارہ دھلے ہوئے کپڑے تار پر پھیلانے شروع کر دیے۔ آج اظفر کے گھر والوں کو تاریخ لینے آنا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کہیں چھپ جائے۔ کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس کے علاوہ کوئی ذی روح نہ ہو۔ کپڑے پھیلا کر وہ منڈیر سے پشت ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

آج ہوا بالکل بند تھی۔ اس نے کیاریوں کے قریب رکھا فون اٹھا کر کال لاگ چیک کیا جس میں ربیعہ کے علاوہ کسی کا نام نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے سینے سے ایک گہری سانس خارج ہوئی۔

"عائزہ! ارے کتنی دیر لگے گی؟ اب آ کر تیار بھی ہو جا۔ وہ لوگ بس آتے ہی ہوں گے" اماں کی پکار پر اس کا دل چاہا وہ کبھی نیچے نا جائے مگر ہماری ہر خواہش کہاں پوری ہوتی ہے۔ اسے نیچے بھی جانا تھا، تیار بھی ہونا تھا اور اماں کو یہ بھی

دکھانا تھا کہ وہ بہت خوش ہے۔ مگر اس سے بھی پہلے اسے اپنے دل کو سمجھانا تھا۔ اور دل کو سمجھانا ہی سب سے مشکل تھا۔

******

لیپ ٹاپ سمیٹ کر وہ بہت تیزی سے ایلیٹس سے باہر نکلا۔ بہت ہی زیادہ ریش ڈرائیونگ کر کے جب وہ گھر پہنچا تو ایک پل کو رک سا گیا۔

"اگر تمہارا جرم ثابت ہو گیا تو؟" کہیں اندر سے آواز اٹھی تھی۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا رہا پھر سر جھٹک کر کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

فیس بک پر ربیعہ کے میسجز پڑھتے ہوئے اسے زوروں کا جھٹکا لگا تھا اور اب وہ اسی جھٹکے کے زیر اثر کار سے نکل کر دروازے کی سمت بڑھ رہا تھا۔

("فائز میں تم سے بہت دنوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر تم لندن جا کر جیسے غائب ہی ہو گئے ہو۔ نا میلز کا جواب آتا ہے نا ہی فیس بک پر آنلائن آتے ہو۔ میں بس اس امید پہ یہ میسج کر رہی ہوں کہ شاید تم کبھی انہیں پڑھ لو۔ مجھے تمہیں بتانا ہے کہ عائزہ نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔ اس نے تمہیں کبھی دھوکا نہیں دیا، نا وہ دے سکتی ہے")

وہ دروازہ کھول کر لاؤنج میں داخل ہوا پھر بغیر ایک پل رکے اپنے کمرے کی سمت جاتی سیڑھیوں کی سمت بڑھا۔

("بات اتنی سی ہے کہ اس کے والدین نے بچپن میں ہی اس کا رشتہ اپنے کسی جاننے والوں کے یہاں طے کر دیا تھا جس کا علم اسے اب ہوا ہے اور وہ اپنی ماں کا دل دکھانے کی ہمت نہیں کر سکی" سوچوں میں گھرا سیڑھیاں چڑھتا فائز ایک پل کو رکا۔)

"اور میرا دل؟" ایک زخمی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو گئی۔

("اس کی غلطی صرف اتنی ہے کہ وہ تم سے سچ نہیں کہہ سکی۔ صرف یہی جھوٹ بولا ہے اس نے کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتی جبکہ فائز! وہ تم سے ہر شے سے زیادہ محبت کرتی ہے")

"ہونہہ!" وہ ہونٹوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ لیے آخری سیڑھی چڑھ کر اپنے کمرے کی سمت بڑھا۔

("میں تم سے یہ سب اس لیے بتا رہی ہوں کہ تمہیں سچ جاننے کا حق ہے۔ اسے لگتا ہے کہ وہ خود کو تمہاری نظروں میں گرا کر تمہیں خود کو بھول جانے کے لیے ایک وجہ دے رہی ہے جبکہ وہ نہیں جانتی کہ اس طرح وہ تمہاری تکلیف میں محض اضافہ کر رہی ہے")

اس نے ڈور ناب گھما کر دروازہ کھولا اور سیاہ وارڈروب کی سمت بڑھ گیا۔

("میری تم سے التجاء ہے کہ اسے معاف کر دینا۔ اسے تمہاری معافی کی سخت ضرورت ہے")

اس نے وارڈروب کھول کر سامنے موجود دراز کھولا۔ سامنے ہی سفید اسمارٹ فون موجود تھا۔

"تمہیں کیا لگا تھا ربیعہ بی بی! کہ میں تمہاری بات کا یقین کر لوں گا؟" اس نے سوچتی نظروں سے فون کو دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا۔

"آخر دوست تو تم اسی کی ہو" وہ وارڈروب ویسے ہی کھلی چھوڑے جہازی سائز بیڈ کی سمت چلا آیا۔

"چلو دیکھتے ہیں اس میں کیا ملتا ہے" اس نے بیڈ کراؤن سے پشت ٹکاتے ہوئے اسکرین روشن کی۔ قسمت سے اس میں کوئی پاسورڈ نہیں لگا تھا۔ اس نے گیلری کے آئکن پر ٹیپ کیا۔

****

وہ ہلکے سبز رنگ کا جوڑا زیب تن کیے آئینے کے سامنے بیٹھی سلکی سیاہ بالوں پہ کنگھا پھیر رہی تھی۔

"مجھے تمہارے بال کھلے پسند ہیں۔ انہیں کھلا رکھا کرو" بھاری آواز اس کے کانوں میں گونجی تو اس نے جھک کر کیچر اٹھا لیا۔ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ کر کیچر لگاتے ہوئے اس کی نظریں اپنے عکس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے جھک کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی کاجل اسٹک اٹھائی۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں امتحانات ختم ہونے تک انتظار کروں تو ان آنکھوں میں کاجل مت لگایا کرو" وہ اس کی کاجل سے سجی آنکھوں کو خفگی سے دیکھ رہا تھا۔

"میری آنکھوں میں کاجل اتنا برا لگتا ہے؟" اس نے اچنبھے سے فائز کا چہرہ دیکھا۔

"اتنا اچھا لگتا ہے" فائز نے بے بسی سے گہری سانس لی تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اس کی پلکیں بھیگنے لگیں تو اس نے ذہن سے یادوں کو جھٹکتے ہوئے کاجل اسٹک واپس اس کی جگہ پر رکھ دی اور جیولری باکس سے جھمکے نکال کر پہننے لگی۔ اسی لمحے اماں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ اس نے ان کی سمت پلٹے بغیر آئینے میں بغور ان کا چہرہ دیکھا۔ وہاں سے وہ خوشی غائب تھی جس نے کچھ دیر پہلے ان کے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

"کیا ہوا اماں؟ سب ٹھیک تو ہے نہ؟" اس نے بغور ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے ان کی ذہنی حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ اماں تھکے تھکے سے انداز میں بستر کے کونے پر ٹک گئیں۔

"کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ پریشان ہو کر ان کے قریب چلی آئی۔

"ہاں میری طبیعت کو کیا ہونا ہے۔ وہ بس۔۔۔" انہوں نے ایک پل کو رک کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"وہ لوگ آج نہیں آرہے" انہوں بمشکل بات پوری کی جبکہ ایکدم سے اس کے دل میں اندر تک سکون اترتا چلا گیا۔

"جانے کیا بات ہے۔ کوئی وجہ بھی نہیں بتائی۔ میرا تو دل بڑا ہول رہا ہے عائزہ!" خالدہ کا چہرہ زرد پڑا جا رہا تھا۔

"ہو گی کوئی بات اماں! ویسے بھی اتنی دور سے آنا کوئی آسان تھوڑی ہے۔ کوئی مسئلہ ہو گیا ہو گا۔ اس قدر پریشان نہ ہوں۔ کچھ نہیں ہوتا" اس نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ان کی حالت دیکھ کر حقیقتاً پریشان ہو گئی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہ رشتہ تمہارے ابا کی خواہش پر ہوا تھا۔ میں اس طرح بچپن میں بات طے کر دینے کے حق میں نہیں تھی مگر تمہارے ابا دوستی کو رشتہ داری میں بدلنے کے خواہش مند تھے۔ ان کے جانے سے دوستی تو ختم ہو ہی گئی۔ اللہ رب العزت رحم کرے۔ اب یہ رشتہ برقرار رہے" اماں کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔

"اماں! کیوں اس قدر پریشان ہو رہی ہیں اور میرا دل بھی دہلا رہی ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلیں کھانا کھاتے ہیں۔ اُفف! مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔ ابھی کچھ دیر تک ربیعہ بھی آجائے گی تو آپ کا دل بھی بہل جائے گا" کچھ دیر کے لیے ہی سہی اس کے دل کو سکون سا مل گیا تھا۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے پہلے والی عائزہ بن گئی۔

"تم تیار ہو گئی تھیں" انہوں نے ایکدم سے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ارے کوئی بات نہیں اماں! دوبارہ ہو جاؤں گی جب وہ آئیں گے۔ بس آپ اا تنی ٹینشن نالیں" وہ انہیں خود سے لگاتے ہوئے بولی۔ اماں نے بغور اس کے مطمئن چہرے کو دیکھا۔ پریشانی تو انہیں اس کی ہی تھی۔ ان کی بیٹی خوش رہے بس۔ اب وہ مطمئن تھی تو وہ بھی کسی قدر پر سکون ہونے لگی تھیں۔ اس کی خوشی ہی ان کے لیے سب کچھ تھی۔ مگر نہیں جانتی تھیں کہ اس کی خوشیاں خریدنے کی کوششوں میں انہوں نے اس کے لیے دکھوں کی ساری دکان ہی خرید ڈالی تھی۔

کچھ لمحوں بعد ربیعہ بھی چلی آئی تھی اور اب صحن میں گلموہر تلے ان کی دنیا بھر کی باتیں جاری تھیں۔

****

"مجھے تمہاری خوشی کی کچھ سمجھ نہیں آرہی عائزہ! وہ لوگ کسی وجہ سے نہیں آسکے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کبھی آئیں گے ہی نہیں؟ جلد یا بدیر تمہاری شادی ہو ہی جانی ہے" ربیعہ نے پلیٹ سے نگٹس اٹھا کر منہ میں رکھے۔ اس کے سوال پر عائزہ کے چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ ایکدم سے غائب ہوئی۔

"ہاں میں جانتی ہوں یہ سکون وقتی ہے مگر میں فالحال کچھ نہیں سوچنا چاہتی۔ یہ جو کچھ دن میسر ہیں میں بھرپور انداز میں انہیں فائز کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ اس کی یادوں کے ساتھ! میں خوش ہوں کہ چند دن ہی صحیح میں اسے سوچ تو سکتی ہوں۔ آزادی سے اسے یاد کر سکتی ہوں۔ میں جانتی ہوں ربیعہ کہ اظفر سے جڑنے کے بعد مجھ سے فائز کو سوچنے کا حق بھی چھن جائے گا۔ میں چاہتی ہوں میں ان تمام دنوں میں اپنے اندر کی ہر خواہش پوری کر لوں۔ اسے جتنا سوچنا چاہتی ہوں سوچ لوں کہ میں یہی کر سکتی ہوں" اس نے کولڈ ڈرنک کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔ ربیعہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا۔

"تمہیں فائز کا دل دکھانے کا افسوس نہیں ہے؟" ربیعہ کے سوال پر اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ اسی بات کا تو اسے سب سے زیادہ دکھ تھا۔ جس شخص کے ذرا سے دکھ پہ، چھوٹی سی تکلیف پہ اس سے پہلے عائزہ کی آنکھیں بھر آتی تھیں آج وہ کیسے اسے خود اپنے دیے زخموں سے تڑپتا جان کر اداس نا ہوتی۔

"وہ سنبھل جائے گا۔ تم جانتی ہو جب کوئی بے وفا نکلے تو بھولنے میں اتنی مشکل نہیں ہوتی۔ ہم اگلے کو غلط سمجھ کر بہت جلد اس سے نفرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر محبت کہیں نہیں رہتی۔ صرف نفرت باقی رہتی ہے۔ اور بعض دفعہ یہ

نفرت اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ انسان انتقام کی آگ میں جلنے لگتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس سے کبھی اس نے بے پناہ محبت کی تھی۔ یہ وہی شخص ہے جس کے لیے کبھی وہ راتوں کو جاگا تھا۔ جس کے ہونے سے اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا تھا۔ میں چاہتی ہوں ربیعہ! فائز بھی مجھ سے اتنی نفرت کرے کہ اس کے دل میں مجھ سے انتقام لینے کا جزبہ شدت پکڑ جائے۔ اس کے ہاتھوں موت بھی پیاری ہے مجھے۔ اور اس کے بعد وہ مجھے ایسے بھول جائے جیسے میں کبھی کہیں تھی ہی نہیں۔ میں اسی لائق ہوں" اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔ ربیعہ نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا جس کی گلابیاں زردیوں میں گھل چکی تھیں۔

"اور تم؟ تم اسے بھول جاؤ گی؟" ربیعہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ عائزہ نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ چند پل خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"چلو کافی دیر ہو گئی ہے۔ ابھی مجھے کچھ کتابیں بھی خریدنی ہیں" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ربیعہ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔ ریستوران سے باہر آتے ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ مجبوراً انہیں قریب موجود شیڈ کے نیچے کھڑا ہونا پڑا۔

"بارش میں مانگی گئی دعا قبول ہوتی ہے" اس کے قریب ہی کہیں سرگوشی ابھری تھی۔ عائزہ نے آواز کی سمت نظریں گھمائیں تو اسے اپنے قریب کھڑا پایا۔ گہری سیاہ آنکھوں پر کالے فریم والا نظر کا چشمہ چڑھائے بالوں کو جیل سے اوپر اٹھائے وہ ہمیشہ کی طرح اس کے دل میں اترتا چلا گیا۔ کتنی ہی دیر وہ بغیر پلکیں جھپکائے اس کے ہونٹوں پر سجی مسکراہٹ دیکھے گئی۔ اسی پل کچھ کہتے ہوئے ربیعہ نے اس کا کاندھا ہلایا۔

"کیا ہوا؟ ایسے آنکھیں پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہو؟" ربیعہ کے استفسار پر اس نے چونک کر فائز کو دیکھا مگر وہاں تو کوئی نا تھا۔ چند لمحوں پہلے کا حسین خواب سحر ٹوٹنے سے ہوا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی" اس نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدلا مبادا دوبارہ اس سحر میں نہ گرفتار ہو جائے۔

"تو یہ میرا وہم تھا جو مجسم میرے سامنے آ کھڑا ہوا تھا" اس نے تیزی سے برستی بارش کو دیکھا۔ سوچیں ایک بار پھر بھٹک کر اس کی سمت جا پہنچیں۔

"میں نے تو ہزاروں دفعہ تمہیں مانگا ہے فائز میر! مگر شاید میری وہ دعائیں آسمان تک پہنچ ہی نا سکیں" جب آنکھوں کی جلن زیادہ بڑھ گئی تو وہ ربیعہ کا ہاتھ تھام کر بارش میں ہی چلنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو؟ پاگل ہوئی ہو؟" ربیعہ اسے روکتی رہ گئی مگر اس کی سماعتوں نے تو جیسے کام کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو بس یادوں میں کھوئی چلتی جا رہی تھی۔

"کتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے؟" نمکین پانی آنکھوں کے کنارے سے بہہ کر بارش کے قطروں کے ساتھ مل گیا۔

"اوپر دیکھو" دھیمی سرگوشی۔۔۔۔

اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنا چاہا۔ بارش کے قطروں نے تیزی سے اس کا چہرہ بھگو ڈالا۔

"کوئی ایریا ہے؟" آنکھوں سے آنسو قطار کی صورت میں بہے جا رہے تھے۔

"نہیں" اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"اتنا" بارش نے اس کا بھرم رکھ لیا تھا۔ آنسو بارش کے قطروں کے ساتھ مل گئے تھے۔ نہ جانے کیسے بارش نے ان آنسوؤں میں موجود دکھ اور کرب کو چھپا لیا تھا۔

"کیا تھا اگر میرے خواب پورے ہو جاتے؟ محبت کی کہانیوں کا ادھورا ہونا کیا ضروری ہوتا ہے؟ خواہشیں تشنہ کیوں رہ جاتی ہیں؟" اپنی نیلی کمیز کی آستین سے چہرہ پوچھتے ہوئے اس نے سوچا۔ بارش کا زور کچھ کم ہوا تھا۔ ربیعہ اب بالکل خاموش تھی اور ایسا تب ہی ہوتا تھا جب وہ شدید خفا ہوتی تھی مگر اس وقت اسے خود اپنا ہوش نہ تھا، اس کی خفگی کیا نوٹ کرتی۔ جب وہ خاصی دور نکل آئیں تو ربیعہ کو اسے ٹوکنا پڑا۔

"کیا ہم جنت جا رہے ہیں؟" ربیعہ نے اس کو جھنجھوڑتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ حال کی دنیا میں واپس چلی آئی۔ کچھ دیر تو اسے ناسمجھی سے دیکھتی رہی پھر ہوش میں آتے ہوئے اطراف کا جائزہ لیا۔

"تم کہو تو چلتے ہیں" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ربیعہ کو دیکھا جو مکمل طور پر بارش میں نہائی خفا خفا سی لگ رہی تھیں۔ جانے آج وہ کیسے اتنی بے قابو ہو گئی تھی۔ وہ تو کسی پر بھی اپنے اندر کا موسم عیاں نہیں ہونے دیا کرتی تھی۔ اپنی مسکراہٹ میں اپنے آنسو چھپانا آتا تھا اسے مگر اس دکھ نے اسے اندر تک توڑ ڈالا تھا۔

ایک وقت آتا ہے جب انسان اپنے دکھوں سے لڑتے لڑتے ہار جاتا ہے۔ اس کی ذات کا کھوکھلا پن باہر والوں کو بھی نظر آنے لگتا ہے۔ کچھ غم انسان کے اندر کی ساری توانائی نچوڑ لیتے ہیں اور اسے بھر بھری ریت کی مانند ڈھا دیتے ہیں۔

"ہاں ضرور! مگر پہلے اپنا حلیہ درست کر لو کیونکہ اس حال میں تو شاید وہاں بھی انٹری نا ملے" ربیعہ کے جلے کٹے انداز پر وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ اسی لمحے اس کی نگاہیں سامنے موجود کتابوں کے اسٹال کی سمت اٹھیں اور پھر پلٹنا بھول گئیں۔

بربری کی سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ زیب تن کیے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے مخصوص پرفیوم کی مہک نے عائزہ کو اندر تک معطر کر دیا۔

کوئی ایک ماہ بعد دیکھا تھا اسے۔ بالکل ویسا ہی وجیح، پروقار اور سنجیدہ۔۔۔ مگر نہیں! کچھ تو الگ تھا اس میں۔

اس کی آنکھوں کی نفرت یا پھر ماتھے پر پڑی سلوٹیں!

دونوں کی نظروں نے ایک دوسرے کو بیک وقت دیکھا تھا۔ ایک کی نظروں میں بے انتہا نفرت تھی جسے اگلے نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ ایک کی نظروں میں بے انتہا محبت تھی جسے نفرت سے ڈھکی آنکھیں دیکھ نا سکی تھیں۔

اور نفرت انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ اسے بالکل سامنے کی بات بھی نظر نہیں آتی۔ نفرت کی آگ محبت کے خوشنما پھول کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔

عائزہ سے وہاں کھڑے ہونا دشوار ہو گیا تھا۔ ربیعہ بھی اس کی طرح ساکت کھڑی تھی۔

"کتابیں بعد میں لے لیں گے۔ ابھی گھر چلتے ہیں" اس نے تیزی سے قدم واپس موڑ لیے۔ ربیعہ نے خاموشی سے اس کی تقلید کی تھی۔

گھر آ کر کتنی ہی دیر وہ تنہا صحن میں بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں کی نفرت، چہرے کی بیگانگی اس کے محبتوں سے گندھے دل کو زخم زخم کیے دے رہی تھی۔ ایک پل کو اس کا دل چاہا وہ جا کر فائز کو سب بتا دے مگر اگلے ہی لمحے بے اعتباری کے خیال نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

"اپنی وقعت کبھی مت کھونا عائزہ! یاد رکھو جو تمہارا ہے، تمہیں ہی ملے گا اور جو تمہارا نہیں وہ تمہاری لاکھ کوششوں کے باوجود تمہارا نہیں ہو سکتا۔ اور سچ بتانے سے دردبڑھنے کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ اس نے وہ سب خود تم سے سنا تھا۔ اب وہ تمہاری بات پر کیوں یقین کرے گا؟ تم دھتکار دی جاؤ گی" ہمیشہ کی طرح اس کے اندر سے آواز آئی تھی۔

****

فائز کے سامنے فون گیلری کھلی پڑی تھی جس میں اس کی پکچرز کے علاوہ کچھ نا تھا۔ سرسوں کے بیچ کچی دیوار پہ بیٹھے، ریستوران میں نوڈلز کھاتے، سمندر کنارے چلتے، کافی کے سپ لیتے، نوٹ بک پہ کچھ لکھتے ہوئے، پریزنٹیشن کے دوران، کونووکیشن کی پکچرز۔ وہ فوٹوز نہیں تھیں، وہ یادیں تھیں۔

اس نے گیلری بند کرتے ہوئے اسرین پہ نظر آتے ایپس پر نظر دوڑائی۔

کلاک، کیلینڈر، فون، پلے اسٹور، سیٹنگز، کروم، میسجز، کیمرہ، واٹس ایپ، فائل مینیجر۔۔۔۔۔۔

اس نے واٹس ایپ اوپن کیا۔

وہاں ربیعہ کے علاوہ کسی کی چیٹ نا تھی۔ اسے معلوم تھا عائزہ کی ایک ہی دوست ہے۔

اس نے واٹس ایپ بند کر کے دوبارہ تمام ایپس پر نظر دوڑائی۔

فیس بک

اس نے اچنبھے سے فیس بک کے آئکن پہ ٹیپ کیا۔

اسے تو معلوم ہی نا تھا کہ وہ فیس بک استعمال کرتی ہے۔ مگر خیر۔۔۔۔

میسنجر اوپن کر کے اس نے گہری سانس لی۔ وہاں بھی ربیعہ کے علاوہ کوئی نا تھا۔

شاید اسے یہ فون کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ اس رات ہندستان سے واپس آتے ہوئے وہ بغیر کچھ سوچے اس کا فون اپنے ساتھ لے تو آیا تھا مگر آج ربیعہ کے مسجز پڑھتے ہوئے جانے کیوں اسے لگا تھا کہ عائزہ کے فون میں اسے کچھ تو ملے گا۔ اگر وہ سچ کہہ رہی تھی تو اس کا کوئی تو ثبوت ہونا چاہیے۔

Safar-e-ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے سارا انباکس دیکھ ڈالا تھا۔ اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ شادی سے ایک رات پہلے ربیعہ سے ہونے والی اس کی آخری چیٹ میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ کوئی سراغ مل جائے یہی سوچ کر اس نے ناچاہتے ہوئے بھی ان دونوں کے میسجز پڑھ ڈالے تھے مگر بے سود۔

اسے خیال آیا کہیں اس نے کچھ میسجز ڈلیٹ نا کر دیے ہوں مگر ان میسجز کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ان میں کچھ بھی مسنگ نہیں ہے۔

"تو ربیعہ جھوٹ بول رہی تھی؟ مگر کیوں؟" وہ بری طرح الجھے ذہن کے ساتھ اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔

"شاید دونوں نے مل کر کوئی پلاننگ کی ہو گی مگر اس پلاننگ میں کامیاب نہ ہو سکیں" اس نے تھک کر روالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچا۔ کمرے میں پھیلی تاریکی کو اسٹڈی ٹیبل پہ موجود لیمپ کی روشنی نے کچھ کم کیا تھا۔

"عائزہ نے مجھ سے تو کبھی فیس بک پہ بات نہیں کی۔ نہ ہی مجھے کبھی اپنے اکاؤنٹ کا بتایا۔ ایسا کیوں؟" جانے کیوں اب اسے نیا خیال ستانے لگا تھا۔

"ہو سکتا ہے اس نے یہ آئی ڈی بعد میں بنائی ہو۔ فیس بک ان دنوں اتنا پاپولر بھی تو نہیں تھا" اس نے سوچتے ہوئے اس کی پروفائل اوپن کی۔ آئی ڈی تین سال پہلے بنائی گئی تھی۔ وہ صحیح تھا۔ عائزہ نے فیس بک اس سانحہ کے بعد استعمال کرنا شروع کی تھی۔

اس نے فون دوبارہ میز پر رکھ دیا اور کرسی ادھر ادھر گھمانے لگا۔

"تو قصوروار میں نہیں ہوں" اس نے جیسے اپنے ضمیر کو فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔

کچھ دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد اس نے میز پر دھرا اپنا فون اٹھالیا اور میلز چیک کرنے لگا۔ اس کی ایک اہم میل آنی تھی مگر وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

اس نے پیج رفریش کر کے دوبارہ انباکس چیک کیا مگر بے سود۔ پھر اس نے اسپام (Spam) فولڈز اوپن کیا تو سامنے ہی میل موجود تھی۔ اسی لمحے اس کے ذہن میں کچھ کلک سا ہوا۔

اس نے تیزی سے عائزہ کا فون اٹھا کر میسنجر کھولتے ہوئے ایک ایک کر کے اس میں موجود تمام فولڈرز چیک کرنے شروع کر دیے۔

سب خالی تھے۔

اس نے مایوس ہو کر آخری فولڈر پر ٹیپ کیا۔

"آرکائیوڈ میسجز"

****

اظفر کی شادی کی خبر اماں پر بجلی بن کر گری تھی۔ خود عائزہ بھی حد درجہ حیران تھی مگر اسے اماں کی طرح نہ کوئی دکھ ہوا تھا نہ صدمہ پہنچا تھا بلکہ اس کے اندر تو ڈھیروں سکون اترتا چلا گیا تھا۔ وہ حیران تھی تو صرف اس لیے کہ ان سے رشتہ جوڑ کر بغیر کچھ بتائے انہوں نے کس طرح کہیں اور شادی کر دی؟

"یعنی منگنی کسی اور سے شادی کسی اور سے؟"

اب بھی یہ خبر گاؤں کی ایک دور پار کی رشتہ دار سے ملی تھی جو ان دنوں اپنی بیٹی سے ملنے شہر آئی ہوئی تھیں اور ان سے ملاقات کی غرض سے ان کے گھر چلی آئیں۔ باتوں باتوں میں انہوں نے پچھلے دنوں نہایت خاموشی سے ہونے والی اظفر کی شادی کا بتا کر گویا اماں پر احد پہاڑ توڑ ڈالا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اظفر نے یہ شادی خود اپنی پسند سے کی تھی۔ ان کے جانے کے بعد سے اماں سر لپیٹ کر چارپائی پر گر گئی تھیں۔ انہوں نے عائزہ سے کچھ نا کہا تھا مگر وہ جانتی تھی۔ انہیں دکھ نہ صرف رشتہ ختم ہونے کا تھا بلکہ ان کا اعتبار بھی کرچی کرچی ہوا تھا۔ عائزہ کو ان کی فکر تھی کہ اس صدمے سے ان کی طبیعت ناخراب ہو جائے تب ہی وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"اماں اب اٹھ بھی جائیں۔ صبح سے آپ نے کچھ نہیں کھایا۔ چلیں کھانا تیار ہے، ساتھ کھاتے ہیں" ان کی چارپائی کے قریب دوزانو ہو کر اس نے آہستگی سے ان کا کاندھا ہلایا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے" ان کی نم سی آواز پر وہ تڑپ ہی تو گئی۔

"مگر مجھے بھوک ہے اماں! اور آپ جانتی ہیں میں آپ کے بغیر کھانا نہیں کھاتی۔ اب اٹھ بھی جائیں۔ کب تک سوگ مناتی رہیں گی؟" ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے چہرے پر پڑا دوپٹہ ہٹایا مگر انہوں نے دوبارہ چہرہ ڈھانپ لیا۔

"اماں! چھوڑ بھی دیں اب۔ کیا بچوں کی طرح ہر شے سے ناراض ہو کر بیٹھ گئی ہیں" اس نے دوبارہ ان کے چہرے سے دوپٹہ کھینچا۔ اب کے انہوں نے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔ بس خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گئیں۔ پچھلے دنوں اس کے چہرے پر جو زردیاں گھل گئی تھیں آج ایک بار پھر وہ چہرہ سرسبز و شاداب نظر آرہا تھا۔

"تجھے دکھ نہیں ہوا عائزہ؟" انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس نے نرمی سے ان کے بوڑھے ہاتھوں کے اوپر اپنا دوسرا ہاتھ بھی رکھ دیا۔

"جو ہمارا نہیں اس کے لیے کیا دکھی ہونا؟" وہ کہہ کر تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی مبادا وہ اس کی آنکھوں سے اس کے دل کا راز نا جان لیں۔

"جلدی آجائیں۔ میں کھانا لگا رہی ہوں" اس نے کچن کی سمت جاتے ہوئے تاکید کی۔ وہ نرمی سے اپنی نم پلکیں صاف کرنے لگیں۔ سچ ہی تو ہے۔ جو ہمارا ہے ہی نہیں اس کے لیے کیا دکھی ہونا۔ قدرت کے فیصلوں پر توکل کرتے ہوئے ہمیں امید نہیں چھوڑنی چاہیے۔ ہم نہیں جانتے ہمارے لیے کیا اچھا ہے۔ ہم تو وہی دیکھتے ہیں جو نظر آتا ہے مگر وہ مالک دو جہاں جو ہے نہ! اسے وہ بھی پتا ہے جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بعض دفعہ ہم قدرت کے جس فیصلے پر رو رہے ہوتے ہیں وہی فیصلہ ہماری زندگی کو نہ جانے کتنی تکلیفوں سے بچا لیتا ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہی نہیں!

****

ربط ٹوٹا تھا مگر شہر نا چھوٹا ہوتا
ہم تجھے دیکھ تو لیتے کہیں آتے جاتے!

فائز نے آرکائیوڈ میسجز میں موجود اکلوتی چیٹ کھولی جو کسی اے۔کے۔ نام کے شخص کے ساتھ تھی۔

("میں نے یونورسٹی دوبارہ جوائن کرلی ہے مگر اب دل اچاٹ ہو چکا ہے۔ تمہارے بارے میں سنا ہے کہ رم کو نووکیشن (Convocation) کے بعد لندن چلے گئے ہو۔ ہر بات کی طرح اس بات سے بھی دکھ ہوا۔ تم سے دور ہی سہی مگر ایک شہر میں تو تھا")

اس نے اسکرول کر کے دوسرا میسج پڑھا۔

(۔"میں نے ربیعہ کے ساتھ ایک پرائیویٹ اسکول میں پارٹ ٹائم جاب کرلی ہے۔ دکھوں کے ساتھ زندگی جینے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ خود کو مصروف کرلیا جائے۔ میں نے بھی یہی کیا ہے۔ اب میرے پاس نہ تمہیں یاد کرنے کا وقت ہوتا ہے نہ گزرے دنوں کو سوچنے کا مگر۔۔۔" وہ اسٹاف روم میں تنہا بیٹھی اپنے فون میں ٹائپ کر رہی تھی۔)

اس نے پھر اسکرول کیا۔

("کچھ لوگوں کو یاد کرنے کے لیے فرصت کے لمحوں کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ وہ بہت مصروف لمحوں میں بھی یاد آ ہی جاتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ تمہیں بھلا دینے کی بھرپور کوششوں کے باوجود۔۔ دن بھر کی شدید مصروفیت کے باوجود۔۔۔ کبھی نوٹس بناتے ہوئے، کبھی کلاس میں پڑھاتے ہوئے، گھر کے کام نپٹاتے ہوئے یا یونیورسٹی میں تیزی سے لیکچر نوٹ کرتے ہوئے تم مجھے یاد آ ہی جاتے ہو۔ کوئی ایسی بات ہو ہی جاتی کہ جو گزرے دنوں کو تازہ کر جاتی ہے")

فائز کے لب بھینچ گئے۔

("میں نے ربیعہ سے تمہارا ذکر کرنا چھوڑ دیا ہے اور ربیعہ کو لگا کہ میں تمہیں بھول گئی ہوں حالانکہ ایک بار جس سے محبت ہو جائے اسے بھلانا اتنا آسان تو نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ ساری عمر لگ جاتی ہے پھر بھی لوگ دل سے نہیں نکلتے")

فائز نے گہری سانس لیتے ہوئے اولڈر میسجز (Older Messages) پہ ٹیپ کیا۔

("اظفر کی شادی کا سن کر ربیعہ نے بہت کہا کہ میں تمہیں سب بتادوں۔ اب کوئی وجہ نہیں کہہ ہم الگ رہیں مگر میں اس سے نہیں کہہ سکی کہ بیچ میں موجود فاصلے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ تم پلٹنا چاہو تو بھی نہیں پلٹ سکتے۔ تم ایک جیتے جاگتے انسان ہو کوئی بے جان چیز نہیں۔ یہ کیا کہ جب چاہا اپنا لیا جب چاہا چھوڑ دیا؟ حالانکہ میں خود تمہیں سب کہہ دینا

چاہتی ہوں۔ مگر میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ تم خود مجھے پکارو۔ ایک بار پلٹ آؤ۔ بس ایک دفعہ۔ پھر میں تمہیں سب بتا دوں گی۔ مگر جانے والے کب پلٹ کر آئے ہیں؟ لوگ تو آگے جا کر انسانوں کی بھیڑ میں یوں گم ہو جاتے ہیں کہ پھر دوبارہ مل بھی جائیں تو نہیں پہچانتے")

فائز کا تو جیسے سانس تھم چکا تھا۔ وہ ساکت سا میسجز پڑھے جا رہا تھا۔

("میرے لیے ایک اور پروپوزل آیا ہے۔ اماں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اماں کی خوشی کے لیے ایک بار پھر خود کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ دل مسلسل انکاری ہے مگر اماں اس قدر خوش ہیں کہ میں انہیں منع نا کر سکی۔ ویسے بھی ان دنوں وہ میری شادی کے لیے جانے کہاں کہاں کے چکر لگاتی رہی ہیں۔ ربیعہ کی شادی کے بعد سے انہیں میری بہت فکر رہتی ہے۔ ایک رشتہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے کوئی ادھر چکر نہیں لگاتا مگر اماں۔۔ میرج بیورو تک نہیں چھوڑے ہیں انہوں نے" وہ بستر پر بیٹھی فون میں ٹائپ کیے جا رہی تھی۔ اماں کچھ لمحوں پہلے ہی اس کی رضامندی لے کر خوشی خوشی اپنے کمرے میں گئی تھیں۔ اس کی سائڈ ٹیبل کی دراز میں نہ جانے کب سے اس شخص کی تصویر رکھی تھی جس سے وہ منصوب ہونے والی تھی مگر اس نے ایک دفعہ بھی اسے دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔)

ایک اور میسج

("ان دنوں مجھے تم بے انتہا یاد آتے ہو۔ تمہاری باتیں۔۔ تمہاری خوبصورت مسکراہٹ۔۔ وہ سارے خواب جو ہم نے مل کر سجائے۔۔ اور آج کل میں تمہارے خیالوں کو جھٹک بھی نہیں پاتی۔ آخری بار بھرپور انداز میں تمہیں یاد کرنا چاہتی ہوں" گھر میں شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ان کا کوئی قریبی تو تھا نہیں۔ جو دور پار کے رشتہ دار تھے انہیں بھی اتنا وقت نہ تھا کہ وہ پہلے سے آ جاتے۔ محلے کی عورتیں ہی تھیں جو دن بھر خوب رونق لگائے رکھتیں مگر وہ کمرے سے نا نکلتی۔ اماں کے اصرار پر وہ پڑھائی کا بہانہ بنا دیتی اور کمرہ بند کیے یادوں کے حسین باغات کی سیر کو نکل جاتی جہاں اس کا من پسند ساتھی اس کا ہمسفر ہوتا۔ جب اس سے بات کرنے کا دل چاہتا تو فیس بک کھول کر بیٹھ جاتی۔ اس کی پروفائل دیکھتی۔ پھر اپنے پرانے اکاؤنٹ وہ جس کا پاسورڈ بھول گئی تھی اس کو اپنی ڈائری کی طرح استعمال کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا کرتی کہ اپنے علاوہ یہ باتیں وہ کسی اور سے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت بھی یہی کر رہی

تھی۔ ربیعہ ان دنوں سے اس ناراض تھی مگر خلاف عادت اسے پرواہ نہ تھی۔ پرواہ تھی تو بس اتنی کہ کچھ دنوں میں اس سے فائز میر کو چاہے جانے کا حق بھی چھن جانے والا ہے۔)

فائز نے ایک لمحے کے لیے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر سیدھے ہوتے ہوئے ایک دفعہ پھر اولڈر میسجز پر ٹیپ کیا۔

("ہمیشہ کی طرح آج پھر تم بہت یاد آ رہے ہو۔ بہت ہی زیادہ۔ دل چاہ رہا ہے تمہیں سب کچھ بتا دوں مگر پھر خیال آتا ہے کہ کیا تم میرا یقین کر لو گے؟ کیا تم میری بات کو سچ مان لو گے؟ مجھے ڈر لگتا ہے فائز! میں تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے نفرت کی بھڑکتی آگ کی چنگاریاں دیکھ کر اندر تک جل جاؤں گی۔ تمہیں بے خبر رکھ کر تم سے دور رہ سکتی ہوں مگر تمہیں سب بتانے کے بعد بھی اگر خالی دامن رہ گئی؟ مجھے ڈر ہے کہ تب میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ شاید تمہارا بے خبر رہنا ہی بہتر ہے۔ ویسے بھی اب تمہیں سب بتا بھی دوں تو کوئی فائدہ نہیں۔ اماں میری شادی کی تیاریاں کر رہی ہیں اور میرا دل اس سب کے لیے قطعی راضی نہیں ہے۔ میں تمہیں بھلا نہیں سکتی۔ پچھلے سات سالوں سے میں یہی کوشش تو کر رہی ہوں مگر تمہیں بھلا دینے کا مطلب ہے خود کو بھول جانا۔ میں خود کو تو بھول سکتی ہوں تمہیں نہیں بھلا سکتی۔ سچ کہوں تو میں تمہیں بھولنا ہی نہیں چاہتی۔ تم میری روح میں بستے ہو فائز! میں دوغلی زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ مگر اب میں اماں کو انکار بھی نہیں کر سکتی۔ دن بدن ان کی صحت گرتی جا رہی ہے۔ ان کی خوشی کی خاطر مجھے یہ زہر پینا ہی ہے۔ جب سے میں نے اس پروپوزل کے لیے رضامندی ظاہر کی ہے ان کی طبیعت قدرے سنبھل گئی ہے۔ وہ بہت خوش رہنے لگی ہیں پر میں کیا کروں کہ میرا دل پہلے سے بھی زیادہ بجھتا جا رہا ہے")

دھندلی پڑتی بصارت کے ساتھ وہ پڑھے جا رہا تھا۔

("پتا ہے فائز! آج پانچ مئی ہے۔ میری زندگی کا سب سے خاص دن۔ مگر وقت کتنا بدل جاتا ہے نہ؟ آج میں تمہیں مبارکباد بھی نہیں دے سکتی۔ میسج ٹائپ کرتی ہوں پھر ڈلیٹ کر دیتی ہوں۔ کاش میں تمہیں احساس دلا سکتی فائز! کہ آج بھی یہ دن میرے لیے اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنا کہ چھ سال پہلے رکھتا تھا۔ بائی داوے-85.. سالگرہ مبارک! اکثر سنا ہے کہ وقت بڑا مرہم ہے۔ ہر زخم وقت کے ساتھ بھر جاتا ہے مگر یہ وقت میرے زخموں کو بھرنے میں کیوں ناکام ثابت ہوا جا رہا ہے؟ میرے زخم ناسور بن چکے ہیں۔ یہ تو وقت کے ساتھ اور بھی زیادہ تکلیف دینے لگے ہیں")

ضبط کی شدت سے سرخ ہوتی آنکھوں کو اس نے انگلی کی پوروں سے رگڑا۔

("تم مجھے غلط سمجھتے ہو۔ شاید نفرت کرتے ہو مجھ سے۔ ربیعہ ٹھیک کہتی ہے۔ میں نے غلطی کی۔ تمہیں سچ نہیں بتایا مگر یہ بھی سچ ہے فائز کہ میں نے تم سے سچی اور کھری محبت کی ہے جو وقت کے ساتھ بدل نہیں سکتی۔ کم نہیں ہو سکتی۔ چاہے تم ساتھ ہو یا نہ ہو۔ محبت خود غرض نہیں ہوتی۔ میری قسمت کہ میں نے تمہیں اپنے ہاتھوں کھو دیا مگر میں کیا کرتی؟ اماں کا یقین تمہاری محبت سے جیت گیا۔ میں کس طرح انہیں تکلیف دیتی؟ میں یہ نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا کر کے میں کبھی خوش نہ رہ پاتی۔ کبھی بھی نہیں۔")

("اور تمہیں بس اتنا اعتبار تھا مجھ پہ؟ ایک بار ہماری بات سنی اور مان لیا کہ میں بے وفا ہوں؟ ایک دفعہ پوچھتے تو مجھ سے۔ کچھ تو کہتے۔ میں اتنی مضبوط نہیں تھی کہ تم پوچھتے پھر بھی میں کچھ نہ بتاتی۔ کاش! میں نے پہلے ہی تمہیں سب بتا دیا ہوتا۔ مجھے لگا اس طرح تم مجھے بھول جاؤ گے۔ اس طرح تمہیں تکلیف نہیں ہو گی اور دیکھو! تم مجھے بھول گئے۔ یہ الگ بات کہ میں تمہیں نہیں بھلا سکی۔ اب تو موت ہی ہے جو تمہاری یادوں کو مجھ سے جدا کر سکتی ہے۔ چار سال انتظار کیا تمہارا کہ شاید تم پکار لو مگر۔۔۔ بس میں ہوتا تو ساری زندگی انتظار میں گزار دیتی مگر مجھ جیسے لوگ اپنی زندگی بھی اپنی مرضی سے جی نہیں پاتے۔ کاش میں یہ سب تم سے کہہ پاتی۔ کاش سب پہلے جیسا ہو سکتا")

مزید میسجز لوڈ نہیں ہو رہے تھے۔ اس نے پلکوں پر ٹکے آنسوؤں کو رگڑا۔

"تو غلط میں تھا" اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

"تو اس نے یہ اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے فون میز پر رکھ دیا۔ اس میں اس سے زیادہ پڑھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

"اس نے غلطی کی اور میں نے گناہ کر ڈالا" آج وہ خود اپنی نظروں میں گر گیا تھا۔ کتنا غلط کیا تھا اس نے اپنی محبت کے ساتھ۔

جب وہ چھ سالوں بعد واپس پاکستان گیا تو اس نے قصداً عائزہ کو ڈھونڈا تھا۔ اس کا پتا تب بھی وہی تھا۔ پھر اس نے پوری پلاننگ کے ساتھ اس کی اماں سے تعارف حاصل کیا اور ان کا دل جیتنے کی کوششوں میں جت گیا اور جلد ہی کامیاب بھی ہوا۔ پھر کچھ عرصے بعد عائزہ کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کی بات سن کر تو وہ خوشی سے نہال ہی ہو گئیں

اور سب بہت آسانی سے ہوتا چلا گیا۔ اسے حیرت تھی کہ عائزہ نے انکار کیوں نہیں کیا مگر یہ تو اب معلوم ہوا کہ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ جس سے وہ جڑنے جا رہی ہے وہ کون ہے۔ تب ہی اس رات وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

پھر اس نے کیا کیا؟

اس کی آنکھوں کے سامنے ایک کے بعد ایک منظر آ اور جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود پستول اور عائزہ کا لٹھے کی مانند سفید چہرہ۔ ٹھنڈا وجود۔ بیڈ پہ پھیلا خون۔۔۔۔۔ گہرا سرخ!

وہ پسینہ پسینہ ہوتے وجود کے ساتھ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں پر پڑے بھاری پردے ایک سمت کھسکا دیے اور ساری کھڑکیاں کھول دیں۔ پھر بھی اس کی کیفیت میں کوئی فرق نہ آیا تو دروازہ کھول کر لاؤنج میں نکل آیا۔ لمبی راہداری سے ہوتے ہوئے لان میں پہنچ کر سنگی بنچ پر گر سا گیا۔

اسے عائزہ کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا تھا۔ اسے دیکھ کر عائزہ کی آنکھوں میں جو چمک آتی تھی وہ چمک اکثر اسے حیران کر دیا کرتی تھی۔ وہ اکثر کہتی تھی کہ فائز اگر تم خود آ کر مجھ سے کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں تب بھی مجھے یہ یقین رہے گا کہ تمہارے دل میں صرف میں ہوں۔

آنسو کا قطرہ پھسل کر اس کے ہاتھ کی پشت پر گرا تھا۔ اور پھر ایک کے بعد دیگرے کئی آنسو لڑھکتے چلے آئے۔ وہ اونچا لمبا مرد زار و قطار رو رہا تھا۔ ہاں اب اسے رونا ہی تھا۔ فائز میر کو رونا بھی چاہیے تھا۔

****

ہمیشہ کی طرح آج بھی سورج بادلوں کے پیچھے کہیں غائب تھا۔ رات بھر برف گرنے کی وجہ سے پوری سڑک مکمل طور سے برف سے ڈھکی ہوئی تھی مگر جیسے اس سرد موسم کی اسے کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔ بلو جینز پر براؤن اوور کوٹ پہنے گردن کے گرد مفلر لپیٹے وہ پیدل ہی ائیر پورٹ کی سمت نکل پڑا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد اس کی ہندستان کی فلائٹ تھی۔ پورے پانچ گھنٹے اس بینچ پر ایک ہی زاویے سے بیٹھے رہنے کے بعد اس نے ہندستان جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے پی اے کو اطلاع دے کر ساری میٹنگز کینسل کرنے کا کہہ کر وہ ہندستان جا رہا تھا۔ پل پل کچوکے لگاتے ضمیر کے ساتھ زندہ رہنا بہت مشکل تھا اس لیے اس نے عائزہ کی اماں خالدہ بیگم سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسے ازالہ کرنا تھا مگر کچھ گناہوں کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ ان کی صرف سزا ہوتی ہے۔

ائیر پورٹ سے نکل کر وہ سامنے نظر آتی ٹیکسی کی سمت بڑھا مگر معلوم ہوا کہ ٹیکسی خراب ہے۔ اس نے اطراف میں کوئی دوسری ٹیکسی تلاش کرنا چاہی مگر ہر سمت پرائیویٹ گاڑیاں ہی نظر آئیں۔ وہ کافی دیر کھڑا انتظار کرتا رہا مگر بے سود۔ آخر تھک کر اس نے پیدل ہی چلنا شروع کر دیا۔ کچھ دور جا کر بلآخر اسے ایک ٹیکسی نظر آ ہی گئی۔ ڈرائیور کو عائزہ کے گھر کا پتا سمجھا کر اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

اپنے جرم کا اعتراف کرنا کسی کے لیے بھی آسان نہیں ہوتا۔ اپنے گناہوں سے خود پردہ اٹھانے کی ہمت کسی انسان میں نہیں ہوتی۔ فائز کے لیے بھی یہ قطعی آسان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد کیا ہو گا۔ اس کی تمام زندگی بدل کر رہ جائے گی مگر-85...

حقیقت جاننے کے بعد وہ خود کو بخش نہیں سکا تھا۔ اسے یہ کرنا ہی تھا۔ معافی مانگنی ہی تھی جانتے ہوئے بھی کہ اس کا گناہ معاف کیے جانے لائق نہیں ہے۔

اس نے کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر پر نگاہ جما دی۔ اتنے سالوں میں سوائے اس کی زندگی کے کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔

اس کے مطلوبہ پتے پر پہنچ کر ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی۔ ڈرائیور کو فارغ کر کے وہ عائزہ کے گھر کی سمت بڑھا۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اور ہر اٹھتے قدم کے ساتھ اس کا دل مزید بھاری ہوا جا رہا تھا۔

مطلوبہ گھر کے سامنے پہنچ کر وہ رک گیا۔ امید کے برعکس چھوٹا لکڑی کا رنگ اڑا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے کھلے دروازے پر دستک دی مگر گھر میں پھیلی خاموشی نے اسے پیغام دیا کہ یہ گھر بھی اس کے وجود کی طرح ویران ہی ہے۔

اس نے حیرت سے کھلے دروازے اور خالی مکان کو دیکھا پھر اندر چلا آیا۔

گرد اور نیم کے پتوں سے اٹا صحن خالی پڑا تھا۔ نیم کے درخت کے نیچے موجود چارپائی اپنی تنہائی پر نوحہ کناں نظر آ رہی تھی۔

وہ کچھ اور آگے بڑھ کے کچن کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ کچن کا حال بھی صحن سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ گندے برتن، جالے اور گرد سب مل کر اعلان کر رہے تھے کہ ہفتوں سے یہاں کی صفائی نہیں کی گئی ہے۔

فائز کو عجیب سے احساس نے آ گھیرا۔ اس نے پریشانی کے عالم میں سارا گھر چھان مارا مگر وہاں کوئی ہوتا تو اسے ملتا نا؟

ہاں مگر کچھ تو تھا جو اس کے ہاتھ لگا تھا۔ وہ عائزہ کے گھر سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا تھا۔

گھر سے باہر نکل کر اس نے آہستگی سے خستہ حال دروازہ بند کر دیا۔ اپنے وسیع و عریض بنگلے میں پہنچ کر بھی اسے گھٹن کا احساس ستاتا رہا۔ پریشانی اور شرمندگی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ مسلسل کچوکے لگاتا ضمیر اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

پھر وہ ہر روز نئی امید کا سرا تھامے وہاں جاتا رہا مگر نہ وہاں کوئی تھا، نہ اسے ملا۔ اس دن بھی وہ بجھتی امید کی شمع لیے پلٹ رہا تھا کہ گلی کے نکڑ پر بنی گومتی میں بیٹھے چاچا نے اسے پکار لیا۔

"کیا بات ہے؟ کئی دن سے دیکھ رہا ہوں؟ کس کی تلاش میں اس خالی گھر کا چکر لگاتے رہتے ہو؟" ان کے لہجے میں ہمدردی جھلک رہی تھی۔

"یہاں ایک عورت رہتی تھی اپنی بیٹی کے ساتھ؟" اس کا پوچھنا تھا کہ آگاہی کے نئے در وا ہوتے چلے گئے۔

"ارے بیٹا! کیا پوچھتے ہو؟ بے چاری پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ ایک ہی تو بیٹی تھی اس کی۔ کچھ مہینے پہلے اس نے اپنی لڑکی کی شادی کسی بڑے امیر لڑکے سے کر دی۔ بڑی خوش تھی مگر کیا کریں قسمت کا؟ لڑکا خراب نکلا۔ شادی کی رات ہی لڑکی کو جان سے مار کر خود بھاگ گیا۔ بیچاری غریب کہاں ڈھونڈتی اسے؟ اس کو تو پتا بھی دو تین دنوں بعد چلا تھا۔ جب یہ اس کے گھر گئی تو لڑکی کی حالت دیکھ کر جو حالت ہوئی تو سنبھل نہ سکی۔ روتی رہتی تھی دن بھر۔ لڑکی کو پکارتی تھی۔ ہر آنے جانے والے سے پوچھا کرتی تھی کہ اس کی بیٹی کہاں ہے؟ خوش ہے؟ میرا تو جی بھر آتا تھا صاحب! اس کی حالت دیکھ کر۔ بڑی اچھی تھی بے چاری! ظالم دنیا نے سب کچھ چھین لیا اس سے۔ رشتہ دار کوئی تھا نہیں ان کا۔ ایک بیٹی تھی وہ بھی نہیں رہی۔ کوئی ہفتہ بھر پہلے یہیں سڑک پر دیکھا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا کچھ پتا نہیں ہے۔ اللہ بھلا کرے۔ آمین" اس کے پوچھنے کی دیر تھی اور وہ بوڑھا جو شاید خود بھی تنہائی کا مارا تھا ایک سانس میں سب بتاتا چلا گیا۔

اس کی بات سن کر فائز کو لگا جیسے اس کے پیروں تلے سے زمین کھسکتی جا رہی ہو۔

"ویسے آپ کون ہیں اس کے؟" اس کے سوال پر وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر بغیر کوئی جواب دیے واپس پلٹ آیا۔

واپسی کا راستہ مزید دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔ آس پاس کی آوازیں، ٹریفک کا شور.. اسے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ کانوں میں بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

"ہفتہ بھر سے پتا نہیں اس کا۔ ظالم دنیا نے بڑا برا کیا اس کے ساتھ۔ اپنی لڑکی کو پکارتی رہتی تھی۔ آنسو تو اس کے تھمتے ہی نہیں تھے" فائز کو لگا وہ مزید نہ چل سکے گا۔ تھک کر وہ فٹ پاتھ پر ہی بیٹھ گیا۔

"یہ میں نے کیا کر دیا؟ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے میں نے اس پر ایک بار بھی رحم نہیں کھایا؟-" وہ فٹ پاتھ پر سر پکڑے بیٹھا تھا۔

"میں جس سے محبت کرتا تھا اس سے انتقام لینے کا میں نے سوچا بھی کیسے؟ جس میں میری جان بستی تھی میں اسی کی جان کیسے لے سکتا ہوں؟" اس کی آنکھوں کے سامنے عائزہ کا ہنستا مسکراتا چہرہ گھومنے لگا۔ اس کی وہ خوبصورت مسکراہٹ جس کا وہ اسیر تھا۔

"محبت میں تو انتقام نہیں ہوتا۔ محبت میں اپنا آپ نہیں دیکھا جاتا۔ محبت تو دینے کا نام ہے۔ اس میں لینے کا خیال نہیں آتا۔ یہ کیسی محبت تھی میری؟ جب مجھے لگا عائزہ میرے ساتھ ہے میں نے اس کا ساتھ دیا۔ اس سے محبت کی۔ اور جب مجھے لگا کہ اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے تو میں اس سے نفرت کرنے لگا؟ اس نے مجھ سے محبت کرنی چھوڑی تو میرے دل سے بھی اس کی محبت نکل کر ہوا میں تحلیل ہو گئی؟ میں نے بھی وہی کیا جو اس نے کیا؟" اس کی آنکھیں تیزی سے نمکین پانی سے بھرنے لگیں۔

"محبت کے دعوے دار ہم دونوں تھے مگر-85.. ہم دونوں ہی محبت نہ نبھا سکے اور اس میں بھی میرے حصے کا جرم زیادہ ہے۔ میری محبت کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ محبت خود غرض کیسے ہو گئی؟" آنسو کا پہلا قطرہ ٹوٹ کر اس کے گال پر لڑھکا۔

" یا مجھ پہ شیطان اس قدر حاوی ہو گیا کہ میری محبت پر نفرت غالب آ گئی۔ میں بے ضمیر کیسے ہو سکتا ہوں؟ میں عائزہ کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟ میں اس کی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟" وہ فٹ پاتھ پر بیٹھا زار و قطار روئے جا رہا تھا۔ آس پاس سے گزرتے لوگ اس کی سمت متوجہ ہو رہے تھے مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ آج اسے اپنے جرم کی

سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ آج سے اس پر زندگی تنگ ہو چکی تھی۔ اس پر ادراک کے در وا کر دیے گئے تھے اور سوائے پچھتاوے کے اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

****

وہ شل ہوتے اعصاب کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ لائٹس آن کرتے ہی اسے شدید جھٹکا لگا تھا۔ بستر کی سفید چادر جابجا سرخ ہو رہی تھی۔

"خون؟" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

چند قدم آگے بڑھ کر اس نے چادر پر نظر آتے خون کے دھبوں پر دو انگلیاں پھیر کر آنکھوں کے سامنے کیں مگر انگلیوں کی بجائے خون اس کے پورے ہاتھ پر لگا نظر آ رہا تھا۔

وحشت زدہ ہو کر وہ اٹیچڈ باتھ روم کی سمت بھاگا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف نظر آ رہا تھا۔ تیز ہوتے تنفس کے ساتھ اس نے واش بیسن کا نل پورا کھول کر تیزی سے دونوں ہاتھ رگڑنے شروع کر دیے مگر یہ کیا-85...؟؟ سرخ مائع صاف ہونے کے بجائے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ہلکا ہونے کے بجائے گہرا ہوتا گیا۔

وہ پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھ تیزی سے رگڑے جا رہا تھا مگر وہ تھا کہ دھل کر نہیں دے رہا تھا۔ اس نے سوپ soap اسٹینڈ سے صابن اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت اس کی نظر اپنے عین سامنے لگے آئینے پر پڑی۔ وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اپنے خوبرو چہرے پر جابجا خون کے دھبے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔ اس نے جھپٹ کر صابن اٹھایا اور چہرے پر رگڑ ڈالا۔ سفید جھاگ کا رنگ تیزی سے سرخی میں ڈھل گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ہارر موووی میں چلا آیا ہو۔ اس نے گھبرا کر صابن دور پھینک دیا اور دوبارہ واش بیسن کے قریب آ کر پانی ہاتھوں کے پیالے میں لے کر چہرے پر ڈالنے کے لیے ہاتھ نل کے نیچے کیے تو بے ساختہ نکلنے والی چیخ سے پورا باتھ روم گونج اٹھا۔

وہ ساکت سا نل سے تیزی سے نکلتے خون کے فوارے کو دیکھے گیا۔ وحشت تھی کہ ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ آئینے میں نظر آتے عکس پر نظریں ٹکائے وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

"یہ کیا ہوا رہا ہے مجھے؟" اس نے اپنے بال مٹھی میں جکڑے۔

"میں پاگل نہیں ہوں" اس نے آگے بڑھ کر باتھ روم کے سارے نل شاور سمیت کھول دیے۔ایک لمحے میں سارا باتھ روم خون سے نہا گیا۔اس کی سفید شرٹ پوری طرح سرخ ہو چکی تھی۔خوف کی آخری حد پہ پہنچ کر وہ بھاگتے ہوئے باتھ روم اور پھر کمرے سے بھی نکلتا چلا گیا۔

راہ داری سے نکل کر وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوا سامنے موجود قد آدم آئینے پر نظر پڑتے ہی ساکت رہ گیا۔

بے یقینی سے آئینے پر نظریں جمائے وہ آہستہ قدموں سے چلتا آئینے کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا۔اس ختم نا ہونے والے سرخ مائع کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

فائز نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیے۔وہ بھی اپنی اصل رنگت میں واپس آ چکے تھے۔ہاں البتہ وہ سر سے پاؤں تک پانی سے بھیگا ہوا تھا۔اس کا تیزی سے چلتا سانس دھیرے دھیرے نارمل ہو رہا تھا۔دل کی دھڑکنیں بھی اپنی لے پر واپس آنے لگی تھیں۔

بالآخر ہارر موووی ختم ہو چکی تھی۔وہ اپنی اصل دنیا میں واپس آ گیا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ بعض دفعہ اصل زندگی ہارر موویز سے بھی زیادہ خوفناک ثابت ہوتی ہے۔

کتنی ہی دیر وہ خاموشی سے آئینے میں نظر آتے عکس کو دیکھتا رہا پھر کچن سے نکلتے خانساماں کی سمت مڑا۔

"حامد!ذرا باتھ روم کی صفائی کر کے میرے پاس آؤ" فائز کی بات پر حامد سر ہلاتا اس کے کمرے کی سمت چل دیا جبکہ وہ وہیں گیلے کپڑوں سمیت صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

عائزہ سے بدلا لینے کا مستحکم ارادہ لیے جب وہ واپش ہندوستان آیا تھا تو اس ارادے کے تحت اس نے تمام ملازمین کو نوکری سے نکال دیا تھا۔محض حامد اور چوکیدار طارق دو ملازمین تھے جو ایک مدت سے اس کے گھر ملازمت کر رہے تھے۔اس کے جانے کے بعد بھی اس وسیع و عریض بنگلے کی حفاظت وہ دونوں ہی کرتے تھے۔

اب اس کی واپسی کے بعد اس کی ہدایت کے مطابق حامد سر شام ہی بنگلے کی پچھلی سمت بنے کوارٹر میں چلا جاتا تھا اور طارق گیٹ کے قریب اپنے کیبن میں ہوتا تھا۔آج پہلی بار اسے تنہا رات گزارنے سے ڈر لگ رہا تھا۔

"میں نے صفائی کر دی ہے صاحب!" حامد کی آواز نے اسے سوچوں کے بھنور سے باہر نکالا۔

"سارے داغ دھل گئے ہیں نا؟" اس نے کھوجتی نظروں سے حامد کو دیکھا۔

"داغ؟ وہاں تو کوئی داغ نہیں تھا صاحب! بس ہر سمت پانی تھا" حامد کے چہرے پر الجھن بہت واضح نظر آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ جاؤ تم" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"اور ہاں! آج کے بعد میرے بستر پر کبھی سفید چادر مت بچھانا" وہ ابھی چند قدم دور ہی گیا تھا کہ فائز دوبارہ بول پڑا۔

"جی اچھا" وہ اثبات میں سر ہلاتا باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی ایک بار پھر بے شمار سوچوں نے اسے گھیر لیا۔ دوبارہ کمرے میں جانے کی ہمت نہ ہوئی سو وہ وہیں صوفے پر ہی لیٹ گیا۔

"کیا ہوا تھا مجھے؟ اگر وہاں خون نہیں تھا تو مجھے نظر کیوں آ رہا تھا؟ اور اگر وہاں خون تھا تو حامد کو کیوں نظر نہیں آیا؟" وہ ہاتھوں کا تکیہ بنائے صوفے پر سیدھا لیٹا تھا۔

"اور میرے نیچے آتے ہی وہ غائب کس طرح ہو گیا؟ کیا وہ میرا وہم تھا؟ کیا میری سوچیں اس قدر طاقتور تھیں کہ وہ مجھے مجسم دکھائی دینے لگیں؟" وہ گھبرا کر دوبارہ اٹھ بیٹھا۔

"کیا مجھے میرے گناہوں کی سزا ملنے لگی ہے؟" اس نے دوبارہ دونوں ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیے۔

"آخر مجھے خون کیوں نظر آیا؟ کیا نظریں ایسے بھی دھوکا کھاتی ہیں؟" اس نے پریشانی سے سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا۔

"مجھے عائزہ کی اماں کو ڈھنڈنا ہی ہو گا۔ شاید اس سے میری سزا میں کچھ کمی آ جائے" اس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

"مگر آخر کہاں گئی ہوں گی وہ؟ کسی رشتہ دار کے یہاں؟ یا کہیں اور؟ اگر وہ مجھے نہ ملیں تو؟ میں کیا کروں گا؟" اس کی پریشانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

"نہیں یہ نہیں ہونا چاہیے۔ میری دنیا تو برباد ہو ہی چکی ہے مگر آخرت برباد نہیں ہونی چاہیے۔ میں-85... میں انہیں ڈھونڈوں گا" اس نے مصمم ارادہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اب اسے اپنا اگلا لائحہ عمل ترتیب دینا تھا۔

****

"تمہیں میری فیس بک آئی ڈی کا کیسے پتا چلا؟" ربیعہ نے کرسی گھسیٹتے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے ہی میسج کیے تھے مجھے ایف بی پر" اس نے باہر نظر آتے بھاگتے دوڑتے ٹریفک پر نظریں جمائے جواب دیا۔

"اوہ ہاں! پر اس بات کو کافی عرصہ ہو گیا۔ اب تو سب ٹھیک ہو چکا ہے" وہ پر سکون انداز میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب؟" اس نے نا سمجھی سے ربیعہ کے چہرے کو دیکھا جہاں کسی قسم کا اضطراب نظر نہیں آ رہا تھا۔

"مطلب یہ کہ میں نے تمہیں حقیقت بتانے کے لیے میسجز کیے تھے مگر اس وقت تم انہیں دیکھ سکے۔ اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب تو سب ٹھیک ہو چکا ہے۔ تم دونوں خوش ہو اور اب تم حقیقت بھی جان ہی گئے ہو گے۔ بائی داوے کیسی ہے وہ؟ لندن جا کر تو مجھے بھول ہی گئی ہے۔ اس کی شادی سے ہی ہمارا کوئی کنٹیکٹ نہیں ہے۔ میں اس کی شادی میں آ نہیں سکی جس پر اتنی ناراض ہو گئی۔ تم سے بھی ناراض ہے کیا؟ ساتھ کیوں نہیں آئی؟" وہ عادتاً بغیر رکے بولے جا رہی تھی جبکہ وہ اس کی بات پر حیران ہی رہ گیا تھا۔

تو کیا اسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا؟ فائز نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ وہاں طنز کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

"اگر وہ واقعی بے خبر ہے تو اسے بتانا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر بتا دیا-85-.85-.85.؟؟"

"کیا ہوا؟ کہاں کھوئے ہوئے ہو؟ واقعی ناراض ہے کیا؟" ربیعہ نے اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ اس نے چونک کر خیالوں کی دنیا سے واپس حال میں قدم رکھا۔

"نہیں-85.. کچھ نہیں! ناراض نہیں ہے۔ اصل میں مجھے بزنس کے کام سے ہندوستان آنا تھا تو میں نے اسے منع کر دیا۔ میں کام میں بزی رہتا اور وہ اکیلی بور ہی ہوتی۔ ویسے تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ تم بھی پاکستان آئی ہو تو اسے ضرور لے آتا۔ اسے معلوم چلے گا تو دیکھنا بہت خفا ہو گی" اس نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر ربیعہ کو مطمئن کیا۔

"ہاں خفا تو وہ واقعی بہت ہو گی۔ اور میں بھی بہت خفا ہوں اس سے۔ بتا دینا اسے" اس نے چہرے پر مصنوعی خفگی سجا لی۔ فائز بمشکل مسکرایا۔

"ٹھیک ہے۔ ویسے کیا لو گی تم؟" اس نے نامحسوس انداز میں بات بدلی۔

"کافی" ربیعہ ہمیشہ کی طرح بے تکلفی سے بولی۔

"مجھے بھی طلب ہو رہی تھی" وہ ویٹر کو آرڈر لکھوا کر دوبارہ اس کی سمت مڑا۔

"ربیعہ !تم عائزہ کے کسی رشتہ دار کو جانتی ہو؟ جس سے ان کا رابطہ رہا ہو؟" اس کے غیر متوقع سوال پر وہ کچھ حیران ہوئی۔

"نہیں! میں تو نہیں جانتی پر تمہیں عائزہ نے نہیں بتایا؟"اس کی آنکھوں میں موجود الجھن کو ملاحضہ کر کے فائز کے ماتھے پر پسینے کے قطرے پھوٹ پڑے۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے مگر کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"نہیں! وہ۔۔ میں۔۔ میں نے اس سے پوچھا ہی نہیں" اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اپنی صفائی پیش کرے۔ اس نے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اس طرح کا کوئی سوال بھی پوچھ سکتی ہے۔

"اوہ! سمجھ گئی" اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"کیا سمجھ گئی؟"اس کا دل بری طرح دھڑکا مگر خود کو سنبھالے اس نے منتظر نگاہوں سے سامنے بیٹھی ربیعہ کا چہرہ دیکھا جس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح حجاب میں لپٹا ہوا تھا۔

"یہی کہ عائزہ نے تمہیں اپنے رشتے کے بارے میں بتایا ہو گا جو اس کے ابا کے دوست کے بیٹے سے بچپن میں طے کر دیا گیا تھا اور جس کے بارے میں اسے بالکل علم نہیں تھا۔ آپ دل و جان سے جیلس ہوئے ہوں گے۔ اس سے مزید پوچھ نہیں سکے ہوں گے تو مجھ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ ہے نا؟" وہ شرارتی نظروں سے اس کا چہرہ تک رہی تھی۔

چند لمحے لگے تھے اسے اس بات کا فیصلہ کرنے میں کہ وہ جو کچھ بھی سمجھ رہی ہے، فائز کو اسے وہی سمجھنے دینا ہے۔

وہ خاموشی سے مسکرا دیا تو ربیعہ فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی کافی کا سپ لینے لگی۔

"تو بات یہ ہے فائز! کہ وہ رشتہ صرف اس کے ابا کی چاہت تھی۔ عائزہ کو تو کچھ خبر ہی نہ تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ تمہاری محبت میں گرفتار ہوئی تھی۔ تب ہی اسے پتا چلا تھا اس بارے میں۔ اس دن جب تم لندن سے واپس آئے اور یونی میں تم نے جو کچھ سنا وہ عائزہ نے در حقیقت تم سے ہی کہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ تم باہر موجود ہو۔ وہ اپنی ماں کی محبت کے آگے بے بس ہو گئی تھی۔ اسے لگا تم بد گمان ہو کر اسے بھول جاؤ گے مگر وہ خود تمہاری محبت میں لمحہ لمحہ جلی ہے فائز! وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے" وہ شرارت سے کہتے کہتے سنجیدہ ہو گئی تھی۔

فائز اس کے نئے انکشافات پر ساکت بیٹھا رہ گیا۔ کتنی ہی دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوا تھا۔

آج اس نے پورا سچ جان لیا تھا اور پورا سچ جان لینے والوں کے دکھ بھی پورے ہوتے ہیں۔

"تو اس کی وہاں شادی کیوں نہیں ہوئی؟" اس نے سامنے رکھے کافی کے مگ پر نظریں جمائے سوال کیا۔

"عائزہ کی طرح اظفر بھی کسی اور سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ گھر والوں کے مجبور کرنے پر اس نے کسی کو بھی بتائے بغیر اس لڑکی سے شادی کر لی۔ عائزہ بہت خوش تھی جب اسے پتا چلا تھا۔ میں نے کئی دنوں بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ یہ اس کے صبر کا انعام ہی ہے کہ اس نے بالآخر خالدہ آنٹی کا مان اور اپنی محبت دونوں ہی جیت لیں" ربیعہ کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔

اس کیفے میں بیٹھے کافی کا مگ ہاتھوں میں اٹھائے فائز کو لگا جیسے زمین و آسمان ایکدم حرکت میں آ کر دائرے کی شکل میں گھومنے لگے ہوں۔

گول، گول، گول!

وہ چاہ کر بھی خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ اس کی سزا تو بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس کے کھاتے میں موجود گناہوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

زمان و مکاں کی گردش کچھ اور تیز ہوئی تھی۔

گول، گول، گول!

اس کے ظلم کی داستان ختم ہو کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ وہ کیا کہتا ربیعہ سے کہ عائزہ جیت کر بھی ہار گئی تھی۔ اس نے سب کچھ پا کر کھو دیا تھا۔ اس کی جیت ادھوری رہ گئی تھی۔ اس کی جیت تکلیف دہ تھی۔ وہ ان لوگوں کی صف میں شامل تھا جنہوں نے اپنے پیاروں کا سب کچھ چھین لیا تھا۔

اس نے نظریں اٹھا کر ربیعہ کو دیکھا اور بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ربیعہ نہیں تھی۔ وہ تو عائزہ تھی۔

گول، گول، اور گول!

ہاں وہ عائزہ ہی تھی!

اس کے کھڑے ہوتے ہی وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے قریب آتی وہ کیفے سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔

گول!

فائز تیزی سے انٹرنس ڈور کی سمت بڑھا۔

"فائز" ربیعہ نے اسے پکارا مگر وہ نظر انداز کر کے باہر نکلتا چلا گیا۔

وہ اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی مگر بل پے کرنے کے لیے اسے رکنا پڑا۔ وہ اس کی حرکت پر بے حد حیران تھی۔ وہ بل پے کر کے باہر آئی تو پارکنگ میں اسے فائز کی گاڑی نظر آ گئی۔ ربیعہ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے تیزی سے گاڑی ریورس کر کے فل اسپیڈ میں دوڑا دی اور پھر اپنے بنگلے کے وسیع و عریض پورچ میں پہنچ کر ہی روکی۔

زمین کی گردش ہر لمحہ تیز سے تیز تر ہوئی جا رہی تھی۔

"وہ عائزہ تھی؟" اس نے ڈراؤنگ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کر لیں۔

"نہیں! وہ تو ربیعہ تھی۔ میں ربیعہ سے بات کر رہا تھا پھر وہاں عائزہ کیسے آ گئی؟" اس نے ایک لمحہ کے لیے آنکھیں کھولیں۔

دنیا واضح طور پر گول نظر آنے لگی تھی۔

گول، گول، گول!

"وہ کیسے آ سکتی ہے بھلا؟" اس نے گاڑی کا انجن بند کرتے ہوئے یاد کیا۔

اس نے آج خود ربیعہ کی آئی ڈی پر میسج کر کے اسے کیفے بلایا تھا پھر وہاں عائزہ کیسے آ سکتی تھی؟ وہ تو تھی ہی نہیں پھر۔۔؟

"کیا میں پاگل ہو رہا ہوں؟ اس دن خون اور آج عائزہ؟ یہ ہو کیا رہا ہے میرے ساتھ؟ کیا مجھے کسی سائکاٹرسٹ psychiatrist سے رابطہ کرنا چاہیے؟" وہ ہنوز ایک ہی الجھن میں گھرا ہوا کار سے باہر نکل آیا اور بمشکل بھاری قدم اٹھاتا داخلی دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

****

جاری ہے

Safar-e-
ADAB
BEING THE STRING OF YOUR KITE

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جا سکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب